نوائے صوفیہ

Nawa-e-Sufia International

E-edition انٹرنیشنل

شمارہ 141

اپریل 2021

رمضان المبارک 1442ھ



احیائے تصوف کا علمبردار اور اتحاد بین المسلمین کا نقیب

نوائے صوفیہ انٹرنیشنل ای۔ایڈیشن

بفیضان نظر حضرت علامہ بشیر براہ والے قدس سرہ العزیز

شمارہ: 141 اپریل 2021ء

مدیر اعلیٰ	غلام حسن حسنو
چیف کمپوزر	حبیب اللہ کھربوہ کرگل لداخ
کمپوزر	محمد ابراہیم چھوربٹی سکردو
بتعاون	شعبہ نشرواشاعت علماء سپریم کونسل
ناشر	شاہ ہمدان تحقیقاتی ادارہ برائے تصوف
ویب سائیٹ	www.nawaisofia.com
فیس بک	www.facebook.com/nawaesofia
ای میل	articles@nawaisofia.com

مضامین موبائل اور ای میل کے علاوہ موبائل ایپلی کیشن اور ویب سائٹ سے اپ لوڈ کر سکتے ہیں۔

ادارے کا مضمون نگاروں کے رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔



فہرست مضامین

اداریہ		
کورونا کی تیسری لہر	غلام حسن حسنو	05
تفسیر القرآن		
تفسیر نجم القرآن حضرت شیخ علاوالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ	مفتی علی محمد ہادی	09
تفسیر جامع التنزیل والتاویل شیخ حسام الدین بدلیسی نوربخشی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا علی محمد محمدی منہاجین	16
الفقہ		
شرح فقہ احوط سید محمد نوربخش قہستانی رحمۃ اللہ علیہ	مفتی علی محمد ہادی	20
دارالافتاء(اشاعت خصوصی)		
رمضان المبارک کے چند اہم سوالات وجوابات (آپ کے مسائل اور ان کا حل)	حضرت علامہ بشیر رحمۃ اللہ علیہ	40
حدیث نبوی ﷺ		
شیطان مرشد	غلام حسن حسنو	45

تراجم مخطوطات

بہجۃ الطائفہ حضرت شیخ عمار یاسر بدلیسی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا علی محمد محمدی منہاجین	48

اسلامی تقویم کے مہینے

ماہ شعبان المعظم	غلام حسن حسنو	53

احوالِ صوفیاء

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ	مولوی عبدالحمید	59

دین اور معاشرہ

علم و عمل لازم وملزوم	قیصر محمود صدیقی خپلو	63

نشر مکرّر

اسلام میں مرد وزن کی ذمہ داریاں	آمنہ بتول سرمیکی	67

یادِ رفتگان

موت اہل ایمان کے لیے نعمت	مولانا شکور علی انوار	71
مولانا ابراہیم فیضی بھی داغ مفارقت دے گئے	احسان علی دانش	94



اداریہ

کورنا کی تیسری لہر

مدیر نوائے صوفیہ کے قلم سے

الحمد للہ !ماہنامہ نوائے صوفیہ کا شمارہ گیارہ نذر قارئین ہے۔بلا کسی تعطل کے مسلسل دس شماروں کی تیاری اوراشاعت پر ہم اللہ رب العزت کے حضور سراپا سجدہ ریز ہیں ۔کیونکہ ہم میں کوئی توانائی ہے نہ ہی کوئی ہمارامددگاراورنہ ہی غمگسار اس افراتفری کے عالم میں بس اسی کا فضل وکرم اوراسی کے آسرے پر یہ سب کچھ چل رہاہے۔ہم نے اسی کی توفیق کے بل بوتے اوراسی کے فضل وکرم کے بھروسے پر جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا،وہی اب تک ہمیں اپنے مقاصد اور اہداف میں سرخرو فرمارہاہے۔

گزشتہ شمارہ میں (اللہ کی وحدانیت اور معرفت)کے موضوع پر ابوالفیضان شگری کا ایک مضمون تھاجو غلطی سے ابوالفیضان چھوربٹی کے نام سے شائع کیا تھا۔لہذا مضمون نگار سے معذرت خواہ ہیں۔

اس دوران ہم نے محسن ملت سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ اور الحاج صوفی غلام محمد سیر میکی کی ناگہانی وفات کے بعد اعلان کیا تھا کہ ماہنامہ نوائے صوفیہ کے ستمبر 2020 کا شمارا سید جمال الدین نمبر اور فروری 2021 صوفی نمبر ہوگا چنانچہ ہم نے حسب وعدہ متذکرہ بالا دونوں مہینوں میں دونوں خصوصی شمارے بروقت پیش کیے خوش قسمتی یہ کہ دونوں خصوصی نمبر پرنٹ بھی ہوئے۔اس کامیابی پر ہم اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

عالمی وبا کرونا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اب تک پوری دنیا میں موجود اور تباہی وبربادی کا سلسلہ جاری وساری ہے۔وطن عزیز میں کرونا کی تیسری لہر آئی ہوئی ہے ایک جانب کرونا کی ویکسین زور شور سے جاری ہے دوسری جانب گذشتہ سال کے مقابلے میں اس سال اس کی شدت میں زیادہ تیزی ہے حتی کہ وطن عزیز کی پارلیمانی حکومتی سربراہ عمران خان اور ان کی اہلیہ بھی اس میں مبتلا ہیں تیسری جانب ہمارے سیاستباز PDM کے پلیٹ فارم سے آ بیل مجھے مار' کے مصداق جلسے جلوس کرتے اور ریلیاں نکال رہے ہیں اورادھر پوری دنیا اس مرض سے بچنے کے آسان ترین نسخے SOP پر عمل کر رہی ہے جبکہ ہمارے لوگ اس سلسلے میں بھی نہ صرف تساہل برت رہے ہیں بلکہ اس کا مذاق اڑارہے ہیں جس کے نتیجے میں کیس بڑھ رہا ہے اور کیس کی شرح بڑھ کر 12 فیصد تک پہنچ گئی ہے۔لیکن افسوس سیاستبازاور عوام الناس دونوں ہوش کے ناخن لینے کو تیار نہیں۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ صوبہ گلگت بلتستان کرونا فری ہو چکا تھا اس بیماری میں مبتلا لوگ صحت یاب ہو چکے تھے اور نیا کیس نہیں آرہا تھا لیکن اب تک کی اطلاع کے مطابق تیسری لہر آچکی ہے اور اب تک 33 کیسز سامنے آ چکے ہیں جو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ہمارے ہاں تمام تعلیمی ادارے کھلے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ان میں مکمل SOP کے ساتھ تعلیم بھی جاری وساری ہے۔گذشتہ سال وطن عزیز میں سب سے زیادہ نقصان تعلیم کا ہوا تھا جبکہ علاقائی لحاظ سے سب سے زیادہ تعلیمی نقصان گلگت بلتستان میں ہوا تھا۔کیونکہ یہاں تعلیمی اداروں میں 20 دسمبر 2019 کو سالانہ چھٹی ہوئی تھی یکم مارچ کو یہ ادارے کھلنے تھے لیکن کرونا کی وجہ سے بند رہے اور خدا خدا کرکے ستمبر میں کھل گئے اس طرح دس مہینے تعلیمی اداروں کی بندش سے تعلیم کا بڑا نقصان ہوا تھا۔اس نقصان کی تلافی ممکن نہیں ہے۔

اب اگرچہ پوراصوبہ کرونا فری ہے لیکن ساتھ ہی ہمارے علاقے سے تقریباً 25/20 فیصد لوگ سردیاں گزارنے مختلف شہروں میں اقامت گزین تھے سردیوں کے رخصت ہونے کے ساتھ ہی ان کی واپسی شروع ہو

چکی ہے اگرچہ حکومت اور محکمہ صحت کی جانب سے سکردو و گلگت ائیر پورٹ اورزمینی راستوں پر گلگت بلتستان آنے والوں کی چیکنگ کا انتظام کیا گیا ہے لیکن نہ تو عوام ان سے تعاون کر رہے ہیں اور نہ ہی محکمہ صحت اور پولیس کا عملہ سختی سے چیک کرتے ہیں محض دکھاوے اور خانہ پری سے اس وباء کا روک تھام ناممکن ہے۔ راقم نے 4مارچ کو بذریعہ PIA راولپنڈی سے سکردو کا سفر کیا سکردو ائیر پورٹ پر ایک آدمی ایک مخصوص مشین سے لوگوں کا بخار چیک کر رہا تھا بہت وقت لیتا تھا تقریباً180 /170 مسافروں کی چیکنگ میں کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ لگ سکتا تھا چنانچہ چیکر کے دائیں اور بائیں جانب سے بغیر چیکنگ لاونج میں چلے گئے اس دوران شاید 30/ 20 آدمیوں کو چیک کیے ہوں گے۔ یہ عمل مذاق سے کم نہیں۔

اندریں حالات حکومتِ گلگت بلتستان پر لازم ہے کہ:

ا۔ ہوائی اور زمینی راستوں سے گلگت بلتستان آنے والوں کی سختی سے چیکنگ کرے کسی کو بھی چیکنگ کے مرحلے سے گزرے بغیر جی بی میں داخل ہونے نہ دے۔

۲۔ کسی بھی متاثرین کو تندرست ہوئے بغیر لوگوں میں گھل مل جانے اور اپنے گھروں میں جانے سے روک دے۔

۳۔ نہ صرف سے ہوائی وزمینی کوریڈورز پر چیکنگ عملہ میں اضافہ کرے بلکہ وہیں متاثرین کے علاج اور قرنطینہ کا بھی بندوبست کرے۔

۴۔ جی بی کے عوام کا دینی اور سماجی فرض ہے کہ وہ ان چیکنگ کو بوجھ نہ جانے بلکہ بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود اور بقا کا ضامن سمجھ کر چیکنگ کے مراحل سے بخوشی ضرور گزرے۔

۵۔ خواہ کورونا سے متاثر ہوں یا نہ ہوں SOP پر عمل کو یقینی بنائے۔ بازاروں، مذہبی اجتماعات اور پر ہجوم جگھوں پر ماسک کے استعمال کو یقینی بنائے۔

٦۔ بیماروں اور عمر رسیدہ حضرات دینی اجتماعات میں شرکت اور پر ہجوم جگہوں پر جانے سے گریز کرے۔

٧۔ تعلیمی اداروں میں SOP پر مکمل عمل کرتے ہوئے تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری وساری رکھے۔

٨۔ گزشتہ سال جو تعلیمی نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کے لیے زیادہ محنت، لگن اور مشنری جذبے سے کام کرے۔

٩۔ یہاں مختلف بہانوں سے تعلیمی اداروں میں بار بار تعطیل ہوتی رہتی ہے پہلے ہی قومی دنوں کے علاوہ ایمہ اطہار کے یوم ولادت ووفات اور لوکل تعطیل کی وجہ سے تعلیم کا بہت نقصان ہو رہا ہے یہ تعطیلات محدود ہونی چاہئے۔

١٠۔ تعلیم کے سلسلے میں مقامی حالات کو مد نظر رکھ کر فیصلے کیے جائیں مرکز کے فیصلے یہاں مسلط نہ کیے جائیں۔

آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کورونا کی پہلی اور دوسری لہر سے ہمیں بچایا ہے، تیسری لہر سے بھی بچائے۔ آمین یارب العالمین



القرآن

تفسیر نجم القرآن

حضرت شیخ علاوالدولہ سمنانیؒ

ترجمہ: مولانا علی محمد ہادی

گزشتہ سے پیوستہ

رکوعاتھا ۲ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ اٰیاتھا ۴۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نہج خطاب

اے طور پر ظہور پانے والے نور، علم کتابِ مسطور، حکمتِ رقِ منشور، حقیقت بیت المعمور، سقفِ مرفوع پر جلوہ افروزیِ حقِ مشکور اور رازِ باطلِ بحرِ مسجور کے طالب! تُو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ہی وجود میں یہ لطائف ودیعت کر رکھے ہیں تا کہ تُو ان کے اسرار کو جان لے، تجھے قبر میں خوشی و راحت ملے اور حشر و نشر کے بعد ان حور و غلمان کی صحبت کی نعمت ملے جو جنت میں معرفت کی مسہریوں پر ٹیک لگائے ہوں گے۔

طور کیا ہے؟

تو یقین کر کہ عالم انفس میں تیرا بدنِ قالبی ہی طور ہے، تیرا سرّ ہی کتابِ مسطور ہے، تیرا دل ہی رقِّ منشور ہے، تیری روح ہی بیت المعمور ہے، تیرا لطیفہ خفی ہی سقفِ مرفوع ہے اور تیرا نفس ہی بحرِ مسجور ہے۔ حق تعالیٰ عالم آفاق کی موجوداتِ خارجیہ کی قسم کھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۳﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿۴﴾ وَالسَّقْفِ

الْمَرْفُوْعِ ۝٥ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝٦

قسم ہے طور کی، کھلے ورق میں لکھی ہوئی کتاب کی، فرشتوں کی تسبیح سے آباد گھر کی، اونچی اٹھائی گئی چھت کی، اور جوش دیے ہوئے سمندر کی۔

تفسیرِ بطن: خارجی دنیا عالم انفس کی مِلک ہے جیسے عالم آفاق حق تعالیٰ کی صفتِ ظاہریت کا مظہر ہے۔ ایسے ہی عالم انفس حق تعالیٰ کی صفتِ باطنیت کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ غیب وشہادت دونوں کا جاننے والا ہے اور اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی ظاہریت اور باطنیت کے مظاہر کی قسم کھائے۔ جس طرح خارجی دنیا کے طور کا تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں اسی طرح تیرے بدنِ خاکی سے باہر کی ہر چیز کا ایک الگ جہاں ہے۔ ان کے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہے، لہٰذا کسی ایسے طور کا تعین کر جو عالم آفاق سے نکلنے کے بعد بھی تیرے ساتھ ساتھ رہے۔ وہ

تیرے بدنِ قالبی کا ہی طور ہے جو حشر و نشر کے بعد بھی یا تو جنت کے نعمت کدے میں مزے اڑاتے ہوئے، یا دوزخ کے عقوبت خانے میں سزا بھگتتے ہوئے تیرے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ تو آج کوشش کر کہ تیرا یہ قالبی طور نورانی ہو، ظلمانی نہ ہو، تاکہ برزخ کی زندگی میں تیری قبر روشن ہو، تاریک نہ ہو۔ اگر آج تیرا طور درخشاں اور تاباں نہ ہوا اور شہوت، غضب اور تکبر کی آگ سے جوش مارتے ہوئے نفسانی خواہشات کے سمندر میں ذکر کے پانی، ریاضت کی برف اور اخلاقِ حمیدہ کے اولوں سے ٹھہراؤ نہ آئے تو یقین کر کہ:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝٧ بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے۔

تفسیرِ بطن: ہر لطیفہ کا اپنا مخصوص عذاب ہے، جو دوسرے لطیفے کا نہیں اور سخت ترین عذاب ذلتِ حجاب کا عذاب ہے، جس کے واقع ہونے کے بعد کوئی ہٹانے والا نہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝٨ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝٩ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠

اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ جس دن آسمان لرز کر پھٹ پڑے اور پہاڑ تیز تیز چلنے لگیں۔

تفسیرِ بطن: اس عذابِ حجاب کے ہٹانے کا سالک کے پاس کوئی چارہ نہیں ہو گا، خصوصاً اس دن جب سالک روح قبض کرنے والی قوتِ قابضہ کا مشاہدہ کرے گا جو عزرائیل سے عبارت ہے۔ یہ اس کی روحانی قوتوں کو جو کہ اس

کی رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے ہیں، قبض کرے گا اور لطیفۂ حیاتیہ کو جو کہ صفاتِ روحانیہ کی خصوصیات میں سے ہے، اس کے وجود کے ذرات سے کھینچ لے گا۔

فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿١٢﴾

پس تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے، جو اپنے خیالوں میں کھیل رہے ہیں۔

تفسیرِ بطن: یعنی وہ آلائشِ دنیا کے گہرے سمندر کی پہنائیوں میں غوطے کھا رہے ہیں اور اس کے باطل بلبلوں اور متاعِ قلیل سے کھیل رہے ہیں۔ چونکہ وہ فنا ہونے والی دنیا اور اس کے اسبابِ غرور میں مشغول ہیں اور باقی رہنے والی آخرت جو کہ دار السرور ہے، سے غافل ہیں اس لیے وہ ان لطائف (انبیاء) کو جھٹلا رہے ہیں جو آلائش سے پاک ہیں، انوار سے آراستہ ہیں، اور ان کو خوشخبری اور ڈراوے سے لیس کر کے ان کی جانب بھیجا ہے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٤﴾

اس دن انہیں دھکے دے دے کر دوزخ کی جانب دھکیلا جائے گا۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ وہ آگ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

تفسیرِ بطن: یعنی تم اپنی طرف بھیجے گئے ان لطائف کو جھٹلاتے ہو جو تمہیں حق کی جانب بلاتے ہیں، پس تمہیں اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا جو تمہارے اندر موجود تھی، اسے تم نے ہی بھڑکایا ہے اور اپنے حسد، کینہ، تکبر، غصہ اور بغض وعداوت سے سلگایا ہے اور اس کے لیے درہم ودینار، مال وجائیداد اور مویشیوں جیسے اسبابِ دنیوی کا ایندھن اکٹھا کیا ہے۔ پس اس سارے ایندھن سے تیار کی ہوئی آگ سے تمہاری پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اب بھلا کیا یہ جادو ہے؟

تفسیرِ بطن: یعنی جس آگ کی طرف جہنم کے داروغے تمہیں سختی سے دھکیلے دیتے ہیں اور تم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ وہ آگ ہے جس کو تم دنیا میں آنکھوں سے او جھل ہونے کی وجہ سے جھٹلایا کرتے تھے، حق کا ڈر سنانے والے لطائف کا بھرپور انکار کیا کرتے تھے اور دعوتِ حق کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اب آج تمہاری آنکھ سے پردہ

اٹھا دینے کی وجہ سے تم اسے کھل کر دیکھ رہے ہو اور اسے جادو سمجھ رہے ہو جس کی کوئی حقیقت نہیں یا یہ کہ تمہاری آنکھوں پر جادو کا اثر ہوا ہے۔

اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ اِصۡلَوۡهَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا ۚ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

یا تم واقعی دیکھ نہیں رہے ہو۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ پس تم صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے۔ بے شک تمہیں اسی کی جزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے۔

تفسیرِ بطن: یعنی تم اس آگ میں داخل ہو جاؤ جسے تم نے جلایا ہے اور اسے ایندھن ڈال ڈال کر بھڑکایا ہے۔

"فَاصۡبِرُوۡۤا" کا امر طنز و استہزاء کے طور پر ہے اور "اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا" ایسا کلام ہے جو عموماً مجرمین کی حالت سے بے اعتنائی برتنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ تم اس پر صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے کیونکہ اس آگ سے تمہارا نکلنا جسے تم نے دنیا میں جلایا ہے، محال ہے۔ یہی تمہارے عمل کی جزا ہے، جس کے تحت تم نے ایندھن اکٹھا کیا

، آگ جلانے کی جدوجہد کی اور ہوس کی ہوا دے دے کر اسے خوب بھڑکایا۔

اہلِ تقوٰی کا ٹھکانا

بے شک تقوٰی والے جو اسبابِ دنیا سے دُور رہے اور ہر اس شے سے جس کو حق تعالیٰ نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جنہیں شیطان نے انسان کے آگے خوب سجا کر پیش کیا ہے، بچے رہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الۡبَنِيۡنَ وَ الۡقَنَاطِيۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الۡفِضَّةِ وَ الۡخَيۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ وَ الۡاَنۡعَامِ وَ الۡحَرۡثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ﴿﴾ قُلۡ اَؤُنَبِّئُكُمۡ بِخَيۡرٍ مِّنۡ ذٰلِكُمۡ ؕ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا (آل عمران: ۱۴-۱۵)

لوگوں کے لیے عورتوں، بیٹوں، ذخیرہ کیے ہوئے سونا چاندی کے ڈھیروں، نشان لگائے ہوئے گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتوں کی چاہت و محبت خوب سجائی گئی ہے۔ یہی دنیوی زندگی کے اسباب ہیں جبکہ اللہ کے ہاں اچھے انجام کی

جگہ موجود ہے۔ کہہ دیجیے کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز کی خبر نہ دوں؟ جو اللہ نے اہلِ تقوٰی کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ وہ جو ان اسبابِ دنیوی سے، خواہشات، غصہ، تکبر اور حسد کی آگ سے بچے رہے وہ اپنے پروردگار کے ہاں بہشتِ بریں میں ہوں گے۔ چنانچہ اسی سورۃ طور میں ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾

بے شک تقوٰی والے باغات اور نعمت کی جگہوں میں ہوں گے جو کچھ ان کے رب نے انہیں دے رکھا ہے وہ اس پر خوش ہوں گے اور ان کے رب نے انہیں جہنم کے عذاب سے بچا لیا۔

تفسیر بطن: "اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ فٰكِهِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ" بے شک تقوٰی والے باغات اور نعمت کی جگہوں میں ہوں گے جو کچھ ان کے رب نے انہیں دے رکھا ہے وہ اس پر خوش ہوں گے۔

یہ وہ نفع بخش علم ہے جس نے انہیں خواہشات کی پیروی کرنے اور اخروی زندگی میں جہنم کا ایندھن بننے والے دنیوی اسباب اکٹھا کرنے کے کھیل تماشوں سے بچا کر تقوٰی اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔

"وَ وَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ" اور ان کے رب نے انہیں جہنم کے عذاب سے بچا لیا۔

یعنی علم نافع کے ذریعے انہیں آگاہی دی، پھر انہیں عذاب سے بھی بچا لیا۔ علم کے ذریعے اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کی توفیق اس لیے دی کہ وہ اس بات کی کوشش کریں کہ وہ خواہشات، غصّہ اور تکبر کی آگ کو ذکر، ریاضت اور اخلاقِ حمیدہ کے پانی، برف اور اولوں سے بجھا کر ٹھنڈا کریں۔

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ رچتا سہتا کھاؤ پیو اس عمل کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر بطن: یعنی لطیفۂ نفسیہ کی مخصوص معرفت کے پھل کھاؤ اور لطیفۂ قلبیہ کے مخصوص چشموں سے پانی پیو۔ ان پھلوں اور پانیوں میں رچائی کا وصف ان نیک اعمال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو ظاہری اعضاء و جوارح سے بجا لاتے ہیں اور اس اخلاص و سچائی کی بنا پر ہے جو قلب سے مخصوص ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

قطاروں میں برابر بچھے ہوئے تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم نے ان کو خوبصورت آنکھوں والی حوریں بیاہ دیں۔

تفسیرِ بطن: "مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ" قطاروں میں برابر بچھے ہوئے تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔

کیونکہ وہ مشاہدۂ انوار کے موقعوں پر اپنے اسرار وواردات کو برابر رکھتے ہوئے راحت وطمانینت سے جمے رہے۔

"وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ" اور ہم نے ان کو خوبصورت آنکھوں والی حوریں بیاہ دیں۔

چونکہ انہوں نے نفسانی خواہشات کو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں غرق کر دیا، اس لیے ان کو لطیفۂ حوریہ بیاہ دیا جن کی روحانیت گندے خیالات سے پاک ذکر کی صورت کا معاینہ کرنے سے آتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٍٔۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿21﴾

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ان کے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملالیا اور ان کے عمل سے کچھ کم نہیں کیا۔ ہر آدمی اس چیز کی وجہ سے گرفتار ہے جو اس نے کمایا ہے۔

تفسیرِ بطن: "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" یعنی جو لطائف اپنی طرف بھیجے ہوئے لطیفۂ حقیہ اور ان کو سنائے ہوئے غیبی امور پر ایمان لائے۔

"وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ" جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی۔

ذرّیت سے مراد لطیفۂ قالبیہ اور لطیفۂ نفسیہ ہے۔ "بِاِيْمَانٍ" یعنی انہوں نے ظاہری اعضاء اور باطنی قوٰی سے ایمان کو زک پہنچانے والے کسی ایسے منہیات کا ارتکاب، لہویات کا شغل اور معاصی کی جسارت نہیں کی جس کی وجہ سے آنکھوں سے پردہ ہٹ جانے کے وقت ان کو پیشانی سے پکڑا جائے۔

"اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ" ان کے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی۔

یعنی کھانے پینے اور نفسانی چاہتوں کا فائدہ اٹھانے میں ان کے پاکیزہ قوٰی کو لطائف کے ساتھ ملا دیا۔

"وَ مَآ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ" کی تو ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا لیا اور ان کے عمل سے کچھ کم نہیں کیا۔

یعنی جو ہم نے ان کی اولاد کو اجر عطا کیا ہے اس کی وجہ سے باپ دادا کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی۔

لطائف و قوٰی کا ثواب

"کُلُّ امۡرِیٴٍۭ بِمَا کَسَبَ رَهِیۡنٌ" ہر آدمی اسی میں گروی ہے جو اس نے کمایا ہے۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لطائف کو ان کے اپنے مناسبِ حال الٰہی معارفِ حقیہ کی شکل میں اجر ملتا ہے اور پاکیزہ قوٰی کو ان کے اپنے مناسبِ حال اجر معارفِ خفیہ، روحیہ، سرّیہ اور قلبیہ کی صورت میں ملتا ہے۔ جبکہ ظاہری اعضاء و جوارح کو ان کے اپنے لائق اجر جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نعمت، حور و غلمان اور من پسند لذتوں کی صورت میں ملتا ہے۔ پس اعضاء و جوارح میں سے ہر ہر عضو کو، قوٰی میں سے ہر ہر قوت کو اور لطائف میں سے ہر ہر لطیفہ کو اس دار لکسب دنیا میں خدا تعالیٰ کی طاعت و عبادات اور سعی و جد و جہد کے مطابق اس دارالجزا عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ جزا عطا کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں؛

وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۙ۝ وَ اَنَّ سَعۡیَهٗ سَوۡفَ یُرٰی ۪۝ (النجم:۳۹-۴۰)

اور انسان کے لیے اس چیز کے سوا کچھ نہیں جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور بے شک اسے اپنی کوشش دکھادی جائے گی، چاہے وہ نیک ہو یا بد۔

جاری ہیں۔



القــرآن

تفسیر جامع التنزیل والتاویل

شیخ حسام الدین بدلیسی نوربخشیؒ

ترجمہ: مولانا علی محمد محمدیؔ منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

(میں نے امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے جہراً پڑھنے سے متعلق دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:
اَحَقّ بِجَھَرِبِہ الْاٰیَۃ التی ذکر ھا اللہ (وَاِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَہٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ نُفُوْرًا ۝))

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا جہراً پڑھنا زیادہ حق ہونے کا ثبوت وہ آیت ہے جس کا ذکر اللہ نے فرمایا ہے:

اور جب آپ قرآن میں اپنے رب کا ذکر تنہا کرتے ہیں (ان کے بتوں کا نام نہیں آتا) تو وہ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جبرائیل علیہ السّلام مجھے نماز کی تعلیم دینے کے لیے میرے پاس آیا۔ پھر آپ ﷺ (نماز کے لیے) قیام فرما ہوئے اور تکبیر کہی۔ پھر جہراً بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا۔

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

قَسَّمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ، وَقَالَ: اِذَا قَالَ الْعَبْدُ: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللہ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذْ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ، وَاِذَا قَالَ: الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ وَاِذْ قَالَ: مٰلِکِ

يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ اللّٰهُ فَوَّضَ اِلَيَّ عَبْدِيْ وَاِذْ قَالَ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: هٰذَا الْعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا شَآءَ۔[1]

میں نے نماز کو میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ چنانچہ جب بندہ (نمازی) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (یعنی اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے) کہتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب وہ کہتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد پڑھی۔ (جب وہ نماز میں) الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے) پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی۔ جب وہ (نماز میں) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (روز جزاء کا مالک ہے) پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے (اپنا سب کچھ) میرے حوالہ کر دیا اور جب وہ کہتا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (ہمیں سیدھا راستہ دکھا) تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہی ہے جو وہ چاہتا ہے۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنھما فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے قرأت فرمائی اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ایک آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کو ایک آیت (اور) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کو ایک آیت شمار فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ اپنے اصحاب رضوان اللہ علیم اجمعین سے گفتگو فرما رہے تھے۔ اچانک ایک شخص آیا اور نماز شروع کی پھر اس نے تعوذ پڑھا اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے سنا تو آپ ﷺ

[1] رواہ مسلم (۹۴/۳)، والبیهقی فی شعب الایمان (۳۷۲/۵)

نے اس شخص سے فرمایا۔

”قَطَعْتَ عَلٰى نَفْسِكَ الصَّلٰوةَ اَمَّا عَلِمْتَ اَنَّ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنَ الْحَمْدِ فَمَنْ تَرَكَهَا تَرَكَ اٰيَةً مِنْهُ وَمَنْ تَرَكَ اٰيَةً مِنْهُ فَقَدْ قَطَعَ عَلَيْهِ السَّلَامَ“

تونے اپنے آپ پر الصّلوٰۃ (رحمت) کاٹ دی۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (سورہ) الحمد کا حصہ ہے جو اسے چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اس کی ایک آیت چھوڑ دیتا ہے اور جس نے اس کی ایک آیت چھوڑ دی اس نے اپنے آپ پر سلامتی کاٹ دی۔

تو جان لے جو کچھ دو جلدوں کے درمیان ہے اس کے کلام اللہ ہونے پر اتفاق ہے اور خط مصحف (قرآن) میں اس کی کتابت پر (بھی) سب کا اتفاق ہے۔ سو دو جلدوں کے درمیان جو کچھ ہے اس کے کلام اللہ ہونے سے باقلانی کا وہ قول (اعتراض) رفع ہو گیا جو انہوں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے موقف کا رد کرتے ہوئے کہا تھا کہ اثبات کرنے والے کی تفسیق بعید نہیں ہے کیونکہ اثبات تواتر سے ثابت ہو جاتی ہے اور یہ خلاف امتناع ہے ورنہ قرآن مجید حجت قاطعہ نہیں ہو گا۔

تواتر کی اقسام

کیونکہ تواتر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) قولی (۲) فعلی۔

پس تواتر فعلی کے رد میں واقع ہے جو حکم کتابت ہے اور یہ قولی کو مستلزم ہے اور اس کا برعکس نہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ تَرَكَ مِأَةً وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

جو (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) کو ترک کرے وہ کتاب اللہ (قرآن) کی ایک سو چودہ آیتوں کو ترک کرتا ہے۔

مدینہ (منورہ) کے قراء اور فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سورہ فاتحہ کا حصہ

ہے اور نہ ہی دوسری سورتوں کا اور یہ محض دوسری سورتوں سے فصل اور حصول برکت کے لیے لکھا جاتا ہے۔

اس کی سب سے قوی دلیل امام زھری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

اَوَّلُ مَنۡ تَرَكَ الۡبَسۡمَلَةَ عَمۡرُو بۡنُ سَعِيۡدٍ بِالۡمَدِيۡنَةِ "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کو جس نے سب سے پہلے ترک کیا وہ مدینہ میں حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ ہیں۔"

دوسری دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ آپ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کو جہراً نہیں پڑھتے تھے اور آپ اچھی طرح باخبر ہیں کہ یہ دونوں روایتیں ان کے مطلوب اور مقصود پر دلالت نہیں کرتیں۔

جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے وہ ان (حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ) کے سہو و نسیان پر محمول ہے۔

دوسری روایت میں آہستہ پڑھنے پر محمول کیا جاتا ہے۔ ترک جہر سے مراد نفی نہیں بلکہ آواز کی بلندی میں جہر مبالغہ کو ترک کرنا ہے۔ سرّاً پڑھنا اور بسم اللہ کو ترک کرنا مراد نہیں ہے اور میں یہ جواب بھی دیتا ہوں ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے اور مصحف (قرآن) میں بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کی کتابت پر اتفاق ہے۔ یہی منع سے بچاتا ہے۔

مابین دفتین میں سورتوں کے نام آیتوں کی تعداد اور سورتوں کا مکی اور مدنی ہونا سب برابر ہے اور یہ کہنا کہ بسم اللہ فصل کے لیے لکھا جاتا ہے تو یہ قول مردود ہے کیونکہ فصل و سورہ کی ابتداء سے حاصل ہوتی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے؟ کہ سورہ توبہ اپنے سے پہلی سورہ انفال سے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کے بغیر ممتاز ہوتی ہے اور سورہ النمل کے درمیان میں بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ آنے کے باوجود فصل والی خصوصیات حاصل نہیں ہوتی۔

پس ثابت ہوا کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (سورہ نمل) اور سورہ توبہ کے سوا ہر سورہ کی ایک مستقل آیت ہے۔

(جاری ہے)

فقہ

شرح فقہ احوط

مفتی علی محمد ہادی

گزشتہ سے پیوستہ

(چونکہ آلۂ مسح ہاتھ ہے۔اس پر بائے تبعیضیہ داخل نہیں ہے۔عضو ممسوح سر ہے جس پر بائے تبعیضیہ داخل ہے لہذا ہاتھ کی پوری ہتھیلی سے سر کے کچھ حصہ کو مسح کرنا واجب ہے البتہ پورے سر کا مسح سنت ہے۔اس کا بیان وضو کے مسنون افعال میں عنقریب آنے والا ہے۔)

متن!

وَمَسْحُ الرِّجْلَیْنِ وَغَسْلُهُمَا اِلَی الْکَعْبَیْنِ لِعُمُوْمِ بَلْوَی الْمُسْلِمِیْنَ لِتَعَسُّرِ صِیَانَةِ الرِّجْلِ مِنْ رَشَاشِ الْاِسْتِنْجَاءِ وَغَیْرِہٖ

ترجمہ! استنجا کی چھینٹوں وغیرہ سے پاؤں کو بچانا دشوار ہونے کی بناء پر اہل اسلام بالعموم ناپاکی میں مبتلا رہتے ہیں اس لیے ٹخنوں تک دونوں پاؤں کا مسح کرنا اور دھونا۔

تشریح! اس عبارت میں طہارت صغریٰ (وضو) کے واجبات میں سے پانچویں واجب کا بیان ہے۔قرآنی نص "وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ" کا بیان حضرت میر سید محمد نوربخش رحمتہ اللہ علیہ نے وَمَسْحُ الرِّجْلَیْنِ وَغَسْلُهُمَا اِلَی الْکَعْبَیْنِ کے الفاظ سے کیا ہے۔

الغرض میر سید محمد نوربخش قہستانی قدس اللہ سرہ کے ہاں طہارت صغریٰ (وضو) میں ٹخنوں تک دونوں پاؤں کا مسح و غسل دونوں واجب ہیں اس مجموعی حکم کی علت بتاتے ہوئے فرمایا:

لِعُمُوْمِ بَلْوَی الْمُسْلِمِیْنَ یعنی اہل اسلام بالعموم ناپاکی (حرج اور تنگی) میں مبتلا رہتے ہیں۔اس دوسرے حصے کی

علت بتاتے ہوئے فرمایا:

لِتَعَسُّرِ صِيَانَةِ الرِّجْلِ مِنْ رَشَاشِ الْاِسْتِنْجَاءِ وَغَيْرِهِ

یعنی استنجاء کی چھینٹوں وغیرہ سے پاؤں کا بچانا دشوار ہے۔

گویا اس پوری عبارت کے تین حصے ہیں۔

پہلا حصہ دعویٰ و حکم ہے۔

دوسرا حصہ اس کی دلیل اور علت ہے جو اپنی جگہ ایک دعویٰ ہے۔

تیسرا حصہ دوسرے حصے کی دلیل اور علت ہے۔

یعنی جہاں "تَعَسُّرِ" (دشواری) ہو وہاں عموم بلوی ہوتا ہے اور جہاں عموم بلوی ہو وہاں نرمی یا سختی کی صورت میں حکم لاگو ہوتا ہے۔ میر سید محمد نوربخش رحمتہ اللہ علیہ نے الفقہ الاحوط میں کئی اور مقامات پر بھی بیان کردہ شرعی حکم کی دلیل کے لیے عموم بلوی کو پیش کیا ہے اور عموم بلوی کے ثبوت کے طور پر لِتَعَسُّرِ کا حوالہ دیا ہے۔

وضو میں پاؤں کا حکم

وضو میں پاؤں کے حکم کے بارے میں مسلمان اہل علم اور مجتہدین میں اختلاف ہے جس کی بناء پر پانچ گروہ معرض وجود میں آئے ہیں ۔

۱۔ غاسلین یہ گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو ہر حال میں پاؤں کے دھونے کو فرض قرار دیتے ہیں اگر وضو میں پاؤں کو نہ دھویا تو وضو باطل ہے جیسے کہ وضو میں منہ اور ہاتھوں کو دھونا واجب ہے ان کو نہ دھویا تو وضو باطل ہوتا ہے۔

۲۔ ماسحین یہ وہ طبقہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ وضو میں ہر حال میں پاؤں پر مسح کرنا واجب ہے۔ اگر بالفرض پاؤں کسی گندگی سے آلودہ ہوں تو وضو سے قبل ہی دھو کر صاف کر کے پھر باقاعدہ وضو کرے اور پاؤں پر مسح کرے اگر ایسا نہ کیا تو وضو درست نہیں ہے۔ انہوں نے کعبین سے مراد ظہر قدم پر اُبھری ہوئی ہڈی لی ہے۔

۳۔ **مخیرین** یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وضو کرنے والے کا اختیار ہے کہ چاہے پاؤں کو مسح کرے یا دھولے۔ مسح یا غسل میں سے جو بھی کرلے، وضو درست ہے۔

۴۔ **جامعین** ان لوگوں کا کہنا ہے کہ وضو میں پاؤں کا مسح اور غسل دونوں واجب ہیں یعنی ٹخنوں تک پورے پاؤں کو دھو بھی لیں اور ہاتھ بھی پھیریں۔

ماسحین کے علاوہ تمام فقہاء، مجتہدین اور مفسرین و محدثین نے **کعبین** سے مراد قدموں کے دونوں طرف ابھری ہوئی ہڈیاں لی ہیں۔

محمد جواد مغنیہ اپنی کتاب **الفقه علی المذاهب الخمسه** میں وضو میں پاؤں پر مسح یا ان کے دھونے سے متعلق اختلاف کی اصل وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وَ الخلاف فی مسح الرجلین او غسلهما ناشئی عن فهم الأية (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ[2])حيث قرئ بخفض الارجل و نصبها فمن قال بالمسح عطف الارجل حال جرّها على لفظ الرؤس وحال نصبها على المحل لان كل مجرور لفظًا منصوب محلًّا و من ذهب الى الغسل قال ان الارجل خفضت لمجاورتها للرؤس و نصبت عطفا على الايدى[3]

”پاؤں کے مسح یا غسل میں جو اختلاف ہے وہ دراصل آیت کریمہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ[4] کے سمجھنے میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔

2 سورۃ المائدۃ آیت ۶

3 الفقہ علی المذاہب الخمسۃ ص۔۸۳، دار التیار الجدید، بیروت، لبنان

4 سورۃ المائدۃ آیت ۶

"اَرْجُلَكُمْ "مجرور و منصوب دونوں طریقے سے پڑھا گیا ہے۔ جو لوگ مسح کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر اسے مجرور پڑھے تو "رُءُوسِكُمْ" کے لفظ پر عطف ہے اور اگر منصوب پڑھے تو "رُءُوسِكُمْ" کے محل پر عطف ہے۔ کیونکہ جو لفظ لفظاً مجرور ہو، وہ محلاً منصوب ہوتا ہے۔

اور جنہوں نے غسل کو اپنایا وہ کہتے ہیں کہ "رُءُوسِكُمْ" کی مجاورت کی وجہ سے "اَرْجُلِكُمْ "مجرور پڑھا گیا ہے۔ اس کا عطف "اَيْدِيَكُمْ "پر ہے۔"

تحقیق کا مقام پاؤں کے مسح یا غسل کے بارے میں کوئی حکم لگانے سے قبل کچھ باتیں مقدمات کے طور پر سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) الغسل جسے اُردو میں دھونا کہتے ہیں اس کی وضاحت اور مفہوم کی تشریح و تعریف یہ ہے۔

اِسَالَةُ الْمَآءِ (پانی بہانا) الاِسْتِيْعَابُ الْمَآءِ (کسی شئ کو پوری طرح پانی پہنچا دینا کہ اس کا کوئی حصہ خشک نہ رہے)

صاحب المنجد لکھتا ہے!

غَسَلَ : غَسْلًا وَ غُسْلًا الشّئَ طَهَّرَهُ بِالْمَاءِ و آزَالَ وَسَخَهُ[5]

"غَسَلَ يَغْسِلُ: باب ضرب یضرب سے ہے اس کا مصدر غَسْلًا اور غُسْلًا دونوں آتے ہیں۔ جب الشّئ کہا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ اس چیز کو پانی سے پاک کیا اور اس کی میل کا ازالہ کیا۔

اہل عرب کہتے ہیں: وَغَسَلْتُ الشّئَ غَسْلًا اس سے یہ مفہوم لیتے ہیں:

اَسَلْتُ عَلَيْهِ الْمَآءَ فَاَزَلْتُ دَرَنَهٗ۔ میں نے اس پر پانی بہایا اور اس کی میل کچیل صاف کر دی۔"

الغرض غسل (دھونے) کے مفہوم میں ہاتھوں کا پھیرنا شامل نہیں ہے۔ کسی شئ پر پوری طرح پانی بہائے کہ جو میل ہٹانا مقصود ہے وہ دور ہو جائے، غسل کہتے ہیں۔

5 منجد الطّلاب فواد افرام البستانی صفحہ ۵۱۹ بیروت ۱۹۵۶

(۲) مسح: یہ عربی زبان کا ایک لفظ ہے جس کے معنی اردو میں ہاتھ پھیرنے کے ہیں۔ اس کے مفہوم میں ہاتھوں کا تر ہونا یا نہ ہونا داخل نہیں ہے۔ عموماً منہ اور ہاتھوں کے دھوتے وقت ہم اپنے ہاتھ پھیر رہے ہوتے ہیں جسے مسح کہتے ہیں۔

صاحب المنجد لکھتے ہیں:

مَسَحَ: مَسْحًا الشَّیَٔ اَزَالَ الْاَصَرَ عَنْهُ. یُقَالُ فِی الدُّعَآءِ لِلْمَرِیْضِ : مَسَحَ اللّٰهُ مَابِكَ مِنْ عِلَّةٍ اَیْ اَزَالَهَا وَ عَافَاكَ[6]

(۳) مسح: باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے آتا ہے مصدر مَسْحًا استعمال ہوتا ہے۔ مَسَحَ الشَّیَٔ کہا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس شئ سے اثر کو دور کیا۔ اس شئ کو ہاتھ سے پونچھ لیا۔ مریض کو دعا دیتے ہوئے کہا جاتا ہے:

مَسَحَ اللّٰهُ مَابِكَ مِنْ عِلَّةٍ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی بیماری دور کرے اور آپ کو عافیت عطا کرے۔

الغرض غسل اور مسح دونوں کے مفہوم میں ازالہ اثر یا ازالہ خبث و نجاست داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل عرب کبھی لفظ مسح کو غسل کے معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علاء الدولہ سمنانی قدس اللہ سرّہ الفلاح اہل الصلاح میں فرماتے ہیں:

وَرُوِیَ عَنْ اَبِیْ زَیْدٍ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهٗ قَالَ : اَلْمَسْحُ فِیْ كَلَامِ الْعَرَبِ یَكُوْنَ غَسْلًا وَیَكُوْنَ مَسْحًا وَفِیْهِ یُقَالُ لِلرَّجُلِ اِذَا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ اَعْضَآءَهٗ: قَدْ تَمَسَّحَ، وَیُقَالُ: مَسَحَ اللّٰهُ مَابِكَ اَیْ غَسَلَ عَنْكَ وَطَهَّرَكَ۔[7]

”ابوزید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپؓ نے فرمایا: کلام عرب میں لفظ مسح، غسل (دھونا) اور مسح (ہاتھ پھیرنا) دونوں معنوں میں آتا ہے۔ جب آدمی وضو کرتے ہوئے اعضاء وجوارح کو پوری طرح دھولے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے:

قَدْ تَمَسَّحَ: اس نے دھولیا ہے۔

نیز یوں کہا جاتا ہے:

---

6 (المنجد دارلمشرق صفحہ ۷۶۰ بیروت ۱۹۸۶)

7 الفلاح اہل الصلاح از حضرت علاء الدولہ سمنانی قدس اللہ سرّہ

مَسَحَ اللّٰہُ مَابِكَ : یعنی جو آلائش تجھے لگی ہے اس سے تجھے دھو کر پاک وصاف کرے

عربی کی مشہور لغت المنجد میں ہے۔

تَمَسَّحَ بِالْمَآءِ اَوْ مِنَ الْمَآءِ[8]　　پانی سے غسل کیا

المعجم الوسیط میں ہے۔

تَمَسَّحَ بِالْمَآءِ وِمِنْهُ[9]　　غسل کرنا

تَمَسَّحَ لِلصَّلٰوةِ[10]　　وضو کرنا

حضرت ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ کے قول اور اہل لغت کی صراحتوں کی تائید حضرت نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ: أَتُحِبُّوْنَ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِإِنَآءٍ فِيْهِ مَآءٌ فَاغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ الْيُمْنٰى فَتَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ اَخَذَ اُخْرٰى فَجَمَعَ بِهَا يَدَيْهِ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثُمَّ اَخَذَ اُخْرٰى فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنٰى ثُمَّ اَخَذَ اُخْرٰى فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ قَبَضَ مِنَ الْمَآءِ ثُمَّ نَفَضَ يَدَهُ ثُمَّ مَسَحَ بِهَا رَاسَهُ وَ اُذُنَيْهِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً اُخْرٰى مِنَ الْمَآءِ فَرَشَّ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُمْنٰى وَفِيْهَا نَعْلٌ ثُمَّ مَسَحَهَا بِيَدَيْهِ يَدٌ فَوْقَ الْقَدَمِ وَيَدٌ تَحْتَ النَّعْلِ ثُمَّ صَنَعَ بِالْيُسْرٰى مِثْلَ ذَالِكَ[11]

"عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنھما نے ہم سے کہا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں دکھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو کرتے تھے؟ پھر انہوں نے ایک برتن منگوایا جس میں پانی تھا اور داہنے ہاتھ سے ایک چلو پانی لے کر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر ایک اور چلو پانی لے کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دھویا۔ پھر ایک چلو اور پانی لے لیا۔ اس سے اپنا دایاں ہاتھ دھویا۔ پھر ایک چلو اور پانی لے لیا۔ اس سے اپنا بایاں ہاتھ

8　لغت المنجد صفحہ ۷۶۰، دارالمشرق بیروت ۱۹۸۶ء

9　المعجم الوسیط صفحہ ۱۰۵۰، مکتبہ رحمانیہ لاہور

10　المعجم الوسیط صفحہ ۱۰۵۰، مکتبہ رحمانیہ لاہور

11　سنن ابی داؤد حدیث ۱۳۷

دھویا پھر تھوڑا سا پانی لے کر اپنا ہاتھ جھاڑا اور اس سے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا پھر ایک مٹھی پانی لے کر داہنے پاؤں پر ڈالا جس میں جوتا پہنے ہوئے تھے پھر اس پر اپنے دونوں ہاتھوں کو اس طرح پھیرا کہ ایک ہاتھ پاؤں کے اوپر اور ایک ہاتھ نعل (جوتا) کے نیچے تھا۔ بائیں پاؤں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔“

اس حدیث میں رَشَّ عَلٰی رِجْلِہٖ (پاؤں پر پانی ڈالا) اور مَسَحَھَا بِیَدَیْہِ (دونوں ہاتھوں کو اس طرح سے پاؤں پر پھیرا ایک ہاتھ پاؤں کے اوپر اور ایک ہاتھ نعل کے نیچے تھا) کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی ڈالتے ہوئے ہاتھ پھیرنے کو بھی (یعنی دھونے کو) مسح کہتے ہیں۔

وضو طہارت کی اقسام میں سے ہے، اسے طہارت صغریٰ کہتے ہیں۔ طہارت (پاکی) ازالۂ نجاست کو کہتے ہیں۔ ازالۂ نجاست کبھی دھونے سے ہوتا ہے اور کبھی ہاتھ سے پونچھنے سے ہوتا ہے۔ نجاست اگر زیادہ ہے تو اس کے ازالے کے لیے ہاتھ سے ملنا اور پانی سے دھونا دونوں ناگزیر ہوتے ہیں۔

(۴) طہارت اور نجاست باہم متضاد ہیں، اگر نجاست خفیف ہے تو پاکی کا اہتمام کم کرنا پڑتا ہے اور نجاست اگر زیادہ ہے تو اس کے ازالے کے لیے پاکی کا اہتمام زیادہ کرنا پڑتا ہے، یہ ایک فطری امر ہے۔

(۵) وضو میں چار اعضاء سے ازالۂ نجاست مطلوب ہے یعنی مسح یا غسل کا تعلق چار اعضاء سے ہے، ان اعضاء سے ازالۂ نجاست کے لیے دو طرح کے افعال ہیں، غسل اور مسح ۔

(۶) اعضاء وضو اور افعال وضو مد نظر رکھیں تو دو کالم بنتے ہیں ۔

کالم الف	کالم ب
اعضائے وضو	افعال وضو
منہ	غسل
دونوں ہاتھ	مسح
سر	غسل و مسح دونوں
دونوں پیر	

قرآن وحدیث کے نصوص سے قطع نظر سلیم الطبع انسان کی فطرت کو مدنظر رکھ کر کالم "الف" کے ہر ہر عضو کو کالم "ب" کے مناسب فعل سے اس طور سے ملائے کہ زیادہ ناپاک عضو زیادہ پاکی کے اہتمام والے فعل سے، درمیانی پاکی کے متقاضی عضو درمیانی فعل سے ادنیٰ ناپاک عضو ادنیٰ فعل سے مل جائے تو منہ کے متعلق فطرت کا یہی تقاضا ہے کہ یہ انسان کا آئینہ ہے اور جب بھی کسی محفل میں کوئی جاتا ہے، منہ کو دھو کر جاتا ہے۔ لہذا بارگاہ ایزدی میں حاضری دینے والے کو چاہیے کہ وہ اپنا منہ گناہ کی کالک اور دھبوں کو دھو کر پاک وصاف کرے۔

دونوں ہاتھوں کا استعمال ہر کام کے لیے ہوتا ہے۔ ہر اچھی بُری چیز کو اُٹھانے کے لیے ہاتھ کا استعمال ہوتا ہے، ویسے بھی کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کا دھونا مسنون عمل ہے۔ نماز جیسی روحانی غذا کے کھانے سے قبل ہاتھوں کو کو آلائش دنیا سے پاک وصاف کرنے کے لیے دھونا مناسب تر ہے۔ اسی لیے شریعت نے بھی ان کے دھونے کا حکم دیا ہے۔

سر کا گندہ اور ناپاک ہونے کا احتمال کم ہے، زیادہ سے زیادہ سر پر گرد و غبار بیٹھتا ہے اس کے لیے موزوں یہی ہے کہ اپنے ہاتھوں کو پھیر کر گرد غبار کو ہٹا دے۔

جبکہ پاؤں ہر جگہ پڑتے ہیں، گندے ہونے کے قوی خدشات ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو پاک کرنے کا اہتمام سب سے بڑھ کر کیا جائے۔ لہذا مناسب یہی ہے کہ پانی بھی ڈالے اور ہاتھوں سے مل کر اچھی طرح دھولے۔ عقل سلیم اور فطرت کا یہی تقاضا حضرت میر سید محمد نور بخشؒ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

وَمَسْحُ الرِّجْلَيْنِ وَغَسْلُهُمَا اِلَى الْكَعْبَيْنِ لِعُمُوْمِ بَلْوَى الْمُسْلِمِيْنَ لِتَعَسُّرِ صِيَانَةِ الرِّجْلِ مِنْ رَشَاشِ الْاِسْتِنْجَاءِ وَغَيْرِهِ

" استنجاء کی چھینٹوں وغیرہ سے پاؤں کو بچانا دشوار ہونے کی بناء پر اہل اسلام بالعموم ناپاکی میں مبتلاء رہتے ہیں اس لیے ٹخنوں تک دونوں پاؤں کا مسح کرنا اور دھونا واجب ہے۔"

(۷) حضرت علاؤ الدولہ سمنانی قدس اللہ سرّہ الفلاح لاھل الصلاح، کتاب طھارت باب الخامس و العشرون فی وجوب غسل الرجلین میں وضو میں پاؤں کا دھونا واجب ہونے پر قرآن و سنت سے دلائل پیش

کر کے بعد اپنا ذاتی نکتۂ نظر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَقُوْلُ وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ: اَلْجَمْعُ بَيْنَ مَسْحِ الرِّجْلِ وَالْغَسْلِ اَوْفَقُ عِنْدِىْ لِلْعَمَلِ بِالْقِرَآتِ السَّبْعِ[12]

"اللہ کی توفیق سے اس بات کا قائل ہوں (قرآن پاک کی) کہ ساتوں قراءتوں پر عمل کے لیے پیروں کے مسح و غسل دونوں کو جمع کرنا میری نظر میں موزوں تر ہے۔

ماسحین کے دلائل: حضرت علاو الدولہ سمنانی قدس اللہ سرّہ الفلاح لا ھل الصلاح، کتاب طھارت باب وجوب غسل الرجلین میں وضو میں پاؤں کے دھونے کو واجب قرار دینے کے متعلق لکھتے ہیں:

وَهُوَ الْمَنْقُوْلُ مِنْ فِعْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَفِعْلِ الصَّحَابَةِ۔

"رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے فعل سے وضو میں پاؤں کا دھونا ہی ثابت ہے۔"

محمد جواد مغنیہ کی کتاب الفقہ علی المذھب الخمسہ سے نقل کردہ عبارت سے وضو میں پیروں کے مسح کو ہی واجب کہنے والوں کی دلائل معلوم ہو جاتی ہیں چنانچہ انہوں نے کہا ہے:

فَمَنْ قَالَ بِالْمَسْحِ عَطَفَ الْاَرْجُلَ حَالَ جَرِّهَا عَلٰى لَفْظِ الرُّؤُسِ وَحَالَ نَصْبِهَا عَلَى الْمَحَلِّ[13]

"جو لوگ مسح کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر "اَرْجُلِكُمْ "کو مجرور پڑھے تو"رُؤُسِكُمْ" کے لفظ پر عطف ہے اور اگر "اَرْجُلَكُمْ "منصوب پڑھے تو"رُءُوْسِكُمْ" کے محل یعنی "رُءُوْسَكُمْ" پر حرف جار "ب" داخل ہونے سے قبل والی حالت جو کہ منصوب ہے، پر عطف ہے۔

جبکہ اس کا "رُءُوْسِكُمْ" پر عطف ہونا متعین ہے۔ تو اس کا حکم مسح ہی ثابت ہے کیونکہ جو حکم معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ وہی حکم معطوف کا ہوتا ہے۔"

جواب! ماسحین کی یہ دلیل اگرچہ نحوی اعتبار سے درست ہے لیکن معنویت سے خالی ہے۔ انہوں نے "رُءُوْسِكُمْ" اور "اَرْجُلَكُمْ" دونوں کے لیے "وَامْسَحُوْا" کو عامل قرار دیا اور ان دونوں کو

---

12 الفلاح لا ھل الصلاح، کتاب طھارت باب الخامس والعشرون فی وجوب غسل الرجلین

13 الفقہ علی المذاھب الخمسۃ ص۔۸۳، دار التیار الجدید، بیروت، لبنان

"وَامْسَحُوْا" کے معمول قرار دیے۔ایک معمول "بِرُءُوْسِكُمْ "حرف جار "با" کے واسطے سے ہے۔"با" حرف جار کا ایک لفظی عمل ہے کہ وہ جس سے پہلے آئے اس لفظ کو جرّ دیتا ہے اور اس کا ایک معنوی عمل ہوتا ہے۔

اصول فقہ سے واقفیت نہ بھی ہو شرح ماۃ عامل کا ادنٰی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حرف جار "با" کئی معنی دیتا ہے۔ قرینہ حال سے اس کے کئی معنوں میں سے ایک معنی کا تعین کیا جاتا ہے۔ بِرُءُوْسِكُمْ میں "ب" کے واسطے سے "رُءُوْسِكُمْ""وَامْسَحُوْا" کا معمول ہے جبکہ "اَرْجُلَكُمْ "ب" کے واسطے کے بغیر "وَامْسَحُوْا" کا معمول ہے ۔حرف جار کو انگریزی میں Preposition کہتے ہیں۔ انگریزی ادب ہو یا عربی ادب، preposition کے بدلنے سے verb (فعل) کا معنی بدل جاتا ہے۔ لفظ مسح تین طریقوں سے استعمال ہوتا ہے:

(۱) مسح الشئی (کسی چیز کا مسح کرنا) یعنی لفظ مسح کا کسی حرف جار کے بغیر استعمال جیسا کہ "اَرْجُلَكُمْ" کا عطف "رُءُوْسِكُمْ" کے محل پر کرنے کی صورت میں "وَامْسَحُوْا اَرْجُلَكُمْ "ہوتا ہے۔ اسی طرح الفقہ الاحوط کی عبارت مَسْحُ الرِجْلَیْن میں رِجْلَیْن کو بلاواسطہ حرف جار(Direct) مسح کا معمول قرار دیا ہے۔

(۲) مسح بِالشئی (کسی چیز کو ہاتھ پھیرنا) "با" حرف جار کے واسطے سے شئی کو مسح کا معمول قرار دیا۔ جیسے کہ قرآن مجید کی آیت ہے:

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ [14] اور قرآن مجید کی آیت ہے :

فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ [15]

حضرت سلیمانؑ نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو ہاتھ پھیرا۔

14 سورۃ المائدۃ آیت ٦

15 سورۃ ص آیت ۳۳

اس آیت میں السُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ کو حرف جار "ب" کے واسطے سے "مَسۡحًا" کا معمول قرار دیا ہے۔

(۳)　مَسَحَ عَلَى الشَّیءِ (کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا) جیسے کہ الفقہ الاحوط میں فرمایا ہے:

اَمَّا الۡمَسۡحُ عَلَى الرِّجۡلَیۡنِ فِی الۡخُفَّیۡنِ فَیَكۡفِیۡ وَلَا حَاجَةَ اِلٰی غَسۡلِهِمَا [16]

"موزوں میں پاؤں پر مسح کافی ہے، ان کے دھونے کی ضرورت نہیں۔"

قرآن پاک وَ اَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَیۡنِ [17] کو بغیر حرف جار کے لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ پیروں کا جو حکم ہے اس میں ٹخنوں سمیت پورا پاؤں شامل ہے۔ اگر پاؤں پر مسح کرنے کا حکم ہوتا تو وَ عَلٰی وَ اَرۡجُلِكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَیۡنِ فرماتے کیونکہ "عَلٰی" استعلا پر دلالت کرتا ہے۔ اگر پاؤں کے کچھ حصہ کو مسح کرنا کافی ہوتا "ب" حرف جار کے حکم تحت رکھتے ہوئے وَ اَرۡجُلِكُمۡ ہی فرمادیتے۔

(اَلۡكَعۡبَیۡنِ) الکعب کا تثنیہ ہے۔ ہر ابھری ہوئی چیز کو الکعب کہتے ہیں۔ اگر اَلۡكَعۡبَیۡنِ سے مراد یہاں اَلۡعَظۡمُ النَّاتِیۡ عَلٰی ظَهۡرِ الۡقَدَمِ (وہ ہڈی جو قدم کے بالائی حصہ میں ابھری ہوئی ہے) تو اس صورت میں ہر ایک پیر کا ایک کعب اور دو پیروں کے دو کعب ہوتے ہیں تو ایسے میں اِلَى الۡكَعۡبَیۡنِ فرمانے کی بجائے اِلَى الۡكِعَابِ کہنا چاہیے تھا، جیسے ایک ہاتھ کی ایک کہنی (مرفق) ہے دو ہاتھوں کی دو کہنیاں (مِرۡفقَیۡنِ) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وَ اَیۡدِیَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ [18] فرمایا، ایدی بھی جمع ہے اور الۡمَرَافِقِ بھی جمع ہے جبکہ پاؤں کے حکم میں وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَیۡنِ [19] فرمایا جس میں اَرۡجُلَ جمع ہے اور الۡكَعۡبَیۡنِ تثنیہ ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ہر پاؤں کے دو کعب ہیں، ایک نہیں۔ لہذا یہاں اَلۡكَعۡبَیۡنِ سے مراد قدم کے بالائی حصہ

16　الفقہ احوط کمپیوٹرائز طبع صفحہ ۱۰

17　سورۃ المائدۃ آیت ۶

18　سورۃ المائدۃ آیت ۶

19　سورۃ المائدۃ آیت ۶

میں ابھری ہوئی ہڈی نہیں بلکہ اس سے مراد اَلْعَظْمَانِ النَّاشِزَانِ مِنْ جَانِبَیِ الْقَدَمِ (قدم کے دونوں جانب ابھری ہوئی دونوں ہڈیاں) ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی:

اِلَى الْكَعْبَيْنِ کے الفاظ پاؤں پر مسح کے تصور پر کاری ضرب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میر مختار اخیار رحمۃ اللہ علیہ الفقہ الاحوط کی شرح سراج الاسلام میں فرماتے ہیں:

وَاَرْجُلَكُمْ وبشوید پایهای خودرا تادو استخوان که بیرون آمده از هر دو جانب قدم بر مفصلے که میان ساق و قدم است وَاَرْجُلِكُمْ بکسرِ لام طریق جرّ جوار است۔ همچنانکه لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٍ۔ و حفص بنصب خواند عطف بر وُجُوْهَكُم۔[20]

"وَاَرْجُلَكُمْ اور اپنے دونوں پیروں کو ان دونوں ہڈیوں تک دھولو جو پنڈلی اور قدم کے جوڑ پر پیر کے دونوں جانب ابھری ہوئی ہیں۔ "وَاَرْجُلِكُمْ" لام کے کسرہ کے ساتھ جرّ جوار ہے جیسے کہ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٍ[21] میں اَلِيْمٍ کے میم کے نیچے جرّ جوار کے طور پر آیا ہے۔ حفص کی قرآت میں لام پر نصب ہے اور یہ وُجُوْهَكُمْ پر عطف ہے۔

مسح کے قائل لوگ سنن ابن ماجہ کی اس روایت کو پیش کرتے ہیں جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَبَوْا اِلَّا الْغَسْلَ وَلَا اَجِدُ فِيْ كِتَابِ اللهِ اِلَّا الْمَسْحَ[22]

قرآن کی رُو سے جو حکم نازل ہوا ہے وہ مسح ہے لیکن لوگ غسل کو چھوڑ کر مسح کے لیے تیار نہیں۔ مجھے اللہ کی کتاب میں مسح کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

جوابات: اس روایت سے جواز مسح پر حسب ذیل وجوہات کی بنا پر استدلال کی گنجائش نہیں ہے۔

---

20 سراج الاسلام صفحہ نمبر۷، سکینگ طبع انجمن فلاح وبہبود نوربخشیاں بلتستانیاں رجسٹرڈ کراچی اپریل 2014

21 سورہ سبا آیت ۵

22 سنن ابن ماجہ حدیث ۴۹۴

(۱)　اس روایت کی سند انتہائی کمزور ہے۔

(۲)　دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کی کوئی حدیث نہیں بلکہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔ جسے صحابی کا اثر کہا جاتا ہے۔ صحابی کے قول سے اس وقت استدلال کیا جاتا ہے جب اس مسئلہ میں قرآن یا حدیث میں کوئی نص موجود نہ ہو۔ واضح نصوص کے ہوتے ہوئے حضرت ابن عباس کے اثر سے استدلال باطل ہے۔

(۳)　خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابن ماجہ سمیت دیگر کتب حدیث میں موجود ہے۔ اس میں ابن عباسؓ نے حضور ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں وضو میں پاؤں کا دھونا نقل کیا ہے، پاؤں کے مسح کا ذکر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَاجْعَلِ الْمَآءَ بَيْنَ اَصَابِعِ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ[23]

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم نماز کے لیے اُٹھو تو کامل طریقہ سے وضو کرو اور اپنے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کے درمیان پانی پہنچادو۔“

جن روایاتِ شاذہ اور قراءت سے وضو میں پاؤں کے مسح پر استدلال کیا جاتا ہے، جہاں ان کی سندیں کمزور ہیں وہاں ان روایات میں مسح کا معنٰی دھونا (غَسل) لیناہی واجب ہے کیونکہ یہ ضابطہ کلیہ ہے کہ اگر کسی لفظ کے دو معنی ہوں، ایک معنٰی کے رو سے نصوص میں تعارض ہوتا ہے جبکہ دوسری معنٰی کے رو سے نصوص میں تطابق توافق ہوتا ہے تو وہی معنی متعین ہوتا ہے جس سے نصوص میں تعارض کے بجائے تطابق پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ وضو میں پاؤں کے دھونے پر قوی اسناد کے ساتھ کثیر روایات کتب صحاح، سنن، معاجم، مسانید سمیت حضرت علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کی الفلاح لاھل الصّلاح میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں باقاعدہ ایک باب باندھا اور لکھا:

[23] ابن ماجہ حدیث ۴۸۴

"اَلْبَابُ الْخَامِسُ وَالعِشْرُوْنَ فِیْ وُجُوْبِ غَسْلِ الرِّجْلَیْنِ"[24]

پچیسواں باب دونوں پیروں کا دھونا واجب ہونے کے بیان میں ہے۔"

اگر مسح پر دلالت کرنے والی احادیث کو بھی صحیح مان لیا جائے تو دو طرح کی احادیث ہمارے سامنے آتی ہیں یعنی کچھ احادیث سے وضو میں پاؤں کا دھونا ثابت ہے اور کچھ احادیث سے وضو میں پاؤں پر مسح تو ان دونوں طرح کے احادیث اور آیات وضو میں "وَ اَرْجُلَكُمْ" کی مختلف قرأت پر عمل کرنے کی واحد طریقہ یہی ہے کہ وضو میں پیروں کے معاملے میں مسح و غسل کو جمع کیا جائے۔ حضرت علاوہ الدولہ سمنانیؒ فرماتے ہیں:

اَقُوْلُ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ: اَلْجَمْعُ بَيْنَ مَسْحِ الرِّجْلِ وَالْغَسْلِ اَوْفَقُ عِنْدِیْ لِلْعَمَلِ بِالْقِرَآتِ السَّبْعِ[25]

"اللہ کی توفیق سے اس بات کا قائل ہوں (قرآن پاک کی) کہ ساتوں قراءتوں پر عمل کے لیے پیروں کے مسح و غسل دونوں کو جمع کرنا میری نظر میں موزوں تر ہے۔

پیروں کے دھونے کے متعلق احادیث، مسح کا نظریہ اور ابن جریر طبری کا نظریہ تخییر بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اَقُوْلُ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ: اَلْقَوْلُ الْفَصْلُ فِيْهِ بَعْدَ تَصْحِيْحِ الْحِدِيْثِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُفَسِّرُ كَلَامِ الْحَقِّ وَهُوَ اَعْلَمُ النَّاسِ بِكَلَامِهٖ وَ النَّاسِخِ وَ الْمَنْسُوْخِ مِنْهَا فَاِذَا اَمَرَ بِاَمْرٍ يَجِبُ عَلَيْنَا بِاَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِمْتِثَالُ اَمْرِهٖ، وَ مَنْ يَّجْمَعُ بَيْنَ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ وَ مَسْحِهِمَا اَوِالْمَسْحِ اَوَّلًا وَ غَسْلِهِمَا اَقْرَبُ اِلَى الْاَدَبِ۔[26]

کہ اس معاملے میں حادیث کو صحیح ثابت کرنے کے بعد دوٹوک موقف یہی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالی کے کلام کی تفسیر کرنے والے ہیں اللہ تعالی کے کلام اور اس کے ناسخ و منسوخ کا لوگوں میں آپ ﷺ ہی سب سے بہتر جاننے والے ہیں۔ جب آپ ﷺ جب کوئی حکم دیں تو حسب حکم خداوندی ہم پر آپ ﷺ کے حکم

---

24 کتاب الطہارۃ کا پچیسواں باب

25 الفلاح لاھل الصلاح، کتاب طہارت باب الخامس والعشرون فی وجوب غسل الرجلین

26 الفلاح لاھل الصلاح، کتاب طہارت باب الخامس والعشرون فی وجوب غسل الرجلین

پر من وعن عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور جو شخص پیروں کے دھونے اور مسح کو ایک ساتھ جمع کرے یا پہلے ان کو مسح کرے پھر دھولیں تو یہی موقف ادب کے زیادہ قریب ہے۔

نیز وضو میں پاؤں کا کچھ حصہ خشک رہنے پر حضور ﷺ کی طرف سے وعید سنائی گئی ہے۔ "وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ یا وَيْلٌ لِلْعَرَاقِيْبِ مِنَ النَّارِ [27]" کے الفاظ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت شر حبیل بن حسنۃ، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھم سے مروی ہیں۔ تفصیلات کے لیے کتب صحاح، سنن، معاجم، مسانید سمیت حضرت علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کی الفلاح لاھل الصّلاح کی طرف رجوع کریں۔

جب پنڈلی کا کچھ حصہ خشک رہنے پر "وَيْلٌ" کا عذاب سنایا گیا تو یہ وجوب غسل کی واضح دلیل ہے کیونکہ عذاب ترک واجب یا فعل حرام پر ہوتا ہے۔

جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضور ﷺ کا طرز وضو منقول ہے ان میں چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عباس، حضرت مقدام بن معدیکرب، حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم، حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء وغیر ھم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان کے علاوہ کئی روایات مشہور سندِ حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جَدِّہٖ سے آئی ہیں، ان سب میں تمام صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے وضو کا عملی مظاہرہ کیا اور وضو میں دونوں پاؤں کو دھو کر دکھایا اور کہا کہ حضور ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔ آخر میں بطور تبرک حضرت علی علیہ السّلام کی روایت نقل کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی تاکہ "خِتَامُهُ مِسْكٌ" کا مصداق کامل بنے۔ یہ روایت مختلف قوی سندوں کے ساتھ کتب صحاح، کتب سنن، معاجم اور مسانید میں موجود ہے۔ حضرت علاء الدولہ سمنانی قدس اللہ سرّہ نے یوں اسے نقل فرمائی ہے:

عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ قَالَ: اَتَيْنَا عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَقَدْ صَلَّيْنَا الظُّهْرَ فَدَعَا بِطَهُوْرٍ فَقُلْنَا

27

مَا تَصْنَعُ بِالطَّهُوْرِ؟ وَقَدْ صَلّٰى، مَا يُرِيْدُ اِلَّا لِيُعَلِّمُنَا، فَدَعَا بِاِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ وَ طَسْتٍ فَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَغْمِسَهَا فِي الْاِنَاءِ ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَ اسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى ثَلَاثًا وَ يَدَهُ الْيُسْرٰى ثَلَاثًا ثُمَّ جَعَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى فِي الْاِنَاءِ ثُمَّ مَسَحَ بِرَاسِهٖ مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلَاثًا وَ رِجْلَهُ الشِّمَالَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ: مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّعْلَمَ طُهُوْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ هٰذَا۔

حضرت عبد خیر سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ آپؓ نے وضو کا پانی مانگا۔ تو ہم نے عرض کیا: نماز تو ہم پڑھ چکے ہیں، پانی سے کیا کروگے؟ آپؓ بھی نماز پڑھ چکے تھے۔ آپؓ صرف ہمیں تعلیم دینا چاہتے تھے۔ آپؓ نے ایک ایسا برتن مانگا جس میں پانی تھا اور ایک لگن بھی مانگا۔ پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل آپؓ نے دونوں ہاتھوں کو پانی ڈال کر تین دفعہ دھویا۔ پھر تین دفعہ کلی کی، تین دفعہ ناک میں پانی دے کر جھاڑا۔ کلی اس ہاتھ سے کی جس سے پانی لے رہے تھے، اپنے منہ کو تین دفعہ دھویا، دائیں ہاتھ تین مرتبہ دھویا، بائیں ہاتھ کو تین مرتبہ دھویا، پھر دائیں ہاتھ کو برتن میں ڈالا، پھر سر کو ایک ہی بار مسح کیا، پھر دائیں پیر کو تین بار دھویا، پھر بائیں پیر کو تین بار دھویا، پھر فرمانے لگے جو کوئی رسول اللہ ﷺ کا طرز وضو جاننا چاہے تو وہ یہی ہے۔

تمام صوفی مفسرین نے ''اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ'' کی تفسیر میں ''اَیْ اِغْسِلُوْا'' فرمایا ہے۔ یعنی ٹخنوں تک پیروں کو دھولو۔ ملاحظہ ہو تفسیر خواجہ عبد اللہ انصاری تفسیر جامع التنزیل و التاویل حسام الدین بدلیسی نور بخشی۔

انہی روایات و احادیث اور قرآنی نصوص کی بنا پر مشائخ سلسلہ ذہب کا وضو میں یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پاؤں کو دھویا کرتے تھے اور وضو میں پیروں کو دھونا واجب جانتے تھے۔ چنانچہ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ اورادیہ اور رسالہ اعتقادیہ میں حضرت علاء الدولہ سمنانی علیہ الرحمۃ نے رسالہ مالَا بُدَّ مِنْہُ فِی الدِّیْنِ وغیرہ میں وضو کے واجبات میں پانچویں نمبر پر غَسل رجلین اور شستن پاھا کے الفاظ لائے ہیں۔ حضرت امیر کبیر علیہ الرحمۃ کتاب الفتوۃ میں بھی آداب وضو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رُو بآبِ حیاتِ معرفت بشویند و مرفقین را بز لالِ توکل غسل سازند و بکرامت خضوع وافتقار مسح سر کشند و باصغاء کلام الٰهی مسح گوش کنند و به ملازمت اثبات اقدام بر بساط عبودیت پائے ها بشویند۔[28]

"منہ کو معرفت کے آب حیات سے دھولے۔ توکل کے آب شیرین سے کہنیوں تک ہاتھ کو دھولے۔ خضوع اور نیاز مندی کے کرامات سے سر کا مسح کرے۔ کلام الٰہی کو غور سے سنتے ہوئے کانوں کا مسح کرے اور بساط عبودیت پر سچے قدموں سے گامزن رہتے ہوئے پیروں کو دھوڈالے۔"

حضرت شیخ سہروردی قدس اللہ سرّہ کتاب عوارف المعارف الباب الرابع و الثلاثون فی الآداب والاسرار میں فرماتے ہیں:

والواجب الخامس غسل القدمین ویجب ادخال الکعبین فی الغسل[29]

"وضو میں پانچواں واجب پیروں کا دھونا ہے۔ دھونے میں ٹخنوں کو شامل رکھنا واجب ہے۔"

سوال: فقہ احوط کی صراحت، مشائخ سلسلہ ذہب کی تصریح اور قرآن و سنت کے نصوص میں وضو میں پاؤں کا دھونا واجب ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچنے کے باوجود نوربخشیوں میں پیروں پر مسح کا رواج کیسے آیا؟

جواب: اس سوال کا جواب جناب سید علی کریسی کی کتاب کاشف الحق کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر منصف مزاج آدمی کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

"کریس، بلغار، خپلو اور شگر وغیرہ کے نوربخشی عقائد اور اعمال زیادہ تر سنی مذہب کے قریب تھے۔ خصوصاً میرے چچا مہدی بن خان علوم مذہب اہل سنت سے منسلک تھے۔ ان کی تبلیغ سنی کتابوں جیسے احیاء العلوم، کیمائے سعادت (محمد غزالی) تفسیر حسینی (ملا کاشفی) وغیرہ کے مطابق ہوتی تھیں[30]"

28 کتاب الفتوۃ ص ۵٦) تحقیق و مقدمہ ڈاکٹر محمد ریاض محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

29 عوارف المعارف دا لکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۱ء

30 کاشف الحق، مولف سید علی الموسوی، مرتب سید عباس الموسوی، ترجمہ محمد حسن نجفی صفحہ ۳۱

اس عبارت میں سید علی موصوف صاف طور پر رقمطراز ہیں کہ مذکورہ بالا علاقوں میں نوربخشی عقائد اور اعمال زیادہ تر سنی مذہب کے قریب تھے۔

ان عقائد و اعمال میں ایک وضو میں پاؤں کا دھونا بھی ہے جو اس وقت کے نوربخشی پیر سید محمد شاہ (زین الاخیار) کا عمل ہے۔ چنانچہ سید علی موصوف لکھتے ہیں:

''مصنف نے دیکھا کہ سید محمد شاہ اپنے مذہب سے منحرف ہوگئے ہیں اور وہ وضو میں پیر دھونے لگے ہیں''[31]

سید عباس قمی بن سید علی کریسی مزید لکھتے ہیں:

''میرے والد فرماتے تھے کہ جب میں نے سید محمد شاہ کا یہ عمل (وضو میں پیروں کا دھونا) دیکھا تو اپنے بھائی سید مختار کو اس سے باخبر کر دیا اور انحراف کے نتائج سے بھی انہیں آگاہ کر دیا کہ سید محمد شاہ کا انحراف نوربخشیوں کو بھی متاثر کر سکتا ہے کیونکہ وہ انہیں اپنا پیر اور مرشد مانتے ہیں۔''[32]

سید مہدی جو کہ سید علی کریسی کے چچا ہیں، کو کتاب احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، تفسیر حسینی جیسی کتب صوفیاء کی روشنی میں تبلیغ کرنے پر مذہب اہل سنت سے منسلک قرار دینے کے بعد ان کے بارے میں آگے لکھتے ہیں۔

''اسی (عید غدیر) کی طرح عشرہ محرم میں سید محمد نوربخش کے پیروکار اور شیعہ حضرات کی مجلسین ایک ہی جگہ ہوتی تھیں جن سے میرے چچا سید مہدی شاہ خطاب کرتے تھے۔''[33]

سید مہدی بن خان العلوم کو مذہب اہل سنت سے منسلک قرار دینے کے بعد ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ عید غدیر اور عشرہ محرم میں پیروکاران سید محمد نوربخشؒ اور شیعہ حضرات کی مشترکہ مجالس سے خطاب کرتے تھے، متضاد باتیں ہیں۔

درجہ بالا حوالہ جات سے عیاں ہے کہ نوربخشی پہلے احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، تفسیر حسینی جیسی کتابوں سے

31 کاشف الحق، مولف سید علی الموسوی، مرتب سید عباس الموسوی، ترجمہ محمد حسن نجفی صفحہ ۲۸

32 کاشف الحق، مولف سید علی الموسوی، مرتب سید عباس الموسوی، ترجمہ محمد حسن نجفی صفحہ ۲۸

33 کاشف الحق، مولف سید علی الموسوی، مرتب سید عباس الموسوی، ترجمہ محمد حسن نجفی صفحہ ۲۸

تبلیغ کرتے تھے اور وضو میں پیروں کو دھوتے تھے لیکن سید علی کریسی اور ان کے بھائی سید مختار وغیرہ کے غیر متعصب نور بخشی ظاہر کرتے ہوئے حق کا اظہار کرنے کی وجہ سے لوگوں نے نہ صرف وضو میں پیروں کو دھونا اور کتب صوفیاء کی روشنی میں تبلیغ کرنا چھوڑ دیا بلکہ کثیر نور بخشی آبادی نے نور بخشی روش کو ہی خیر باد کہہ دی۔

حرف آخر:

الغرض قرآن وحدیث، کتب تفاسیر اور تعلیمات مشائخ سلسلہ ذہب کی روشنی میں وضو میں پاؤں دھونا "غسل و مسح کو جمع کرنا" ثابت ہے اور اسی پر حضور اکرم ﷺ سے لے کر حضرت میر سید محمد نور بخشؒ تک سلسلہ ذہب کے سارے مرشد اس حقیقت اوران کے بعد سید محمد شاہ(زین الاخیار)تک سارے پیراں نور بخشیہ عمل پیرا تھے اور یہی تمام نور بخشی عوام کا عمل تھا لیکن سید علی کریسی اور ان کے بھائی سید مختار جو کہ نور بخشی پیر گھرانے کے نہ صرف عالم اور چشم وچراغ تھے بلکہ عبوری پیر نور بخشیہ کی حیثیت سے خانقاہ معلیٰ خپلو اور خانقاہ معلیٰ کریس میں خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے انہوں نے نور بخشی لبادے میں رہ کر غیر نور بخشی تعلیمات کی تبلیغ کی، نور بخشی افراد کو نور بخشیت سے بیگانہ کیا جبکہ غیر نور بخشی عقائد اور اعمال کو نور بخشی عقائد اور اعمال پر اسرار انداز سے رائج کیا اس انوکھی تبلیغ کے زیر اثر نور بخشیوں نے اپنا معنوی وجود کھو دیا۔

واضح رہے وضو میں پیروں کے مسح کے جواز کے لیے بہانے پیدا کرنے کی خاطر نور بخشی کتابوں میں لفظی و معنوی تحریفات کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا جس کی ایک واضح مثال الفقہ احوط میں "وَمَسْحُ الرِّجْلَيْنِ وَغَسْلُهُمَا إِلَى الْكَعْبَيْنِ" میں "وَ" جگہ پر "اَوْ" کا لکھنا ہے جو کسی بھی قلمی نسخے میں نہیں ہے۔

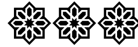
نیز بعض لوگوں کا "وَغَسْلُهُمَا إِلَى الْكَعْبَيْنِ" سے جملہ الگ سے شروع کرنا بھی تحریف معنوی ہے کیونکہ کہ جملہ الگ ہونے کی صورت میں "إِلَى الْكَعْبَيْنِ" کا تعلق "وَمَسْحُ الرِّجْلَيْنِ" سے بلکل کٹ جاتا ہے جو کہ قرانی نص کے سراسر خلاف ہے۔

تحقیق کی کرن: سائنسی علوم سے آراستہ طبقہ جن میں علمی اور دینی بیداری آئی ہے، سائنسی طرز فکر کے تحت نور بخشی کتب و تعلیمات میں تحقیق و تدقیق کا ان میں رجحان پیدا ہوا ہے۔یہ لوگ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر

کے خالص نوربخشی تعلیمات پر من وعن عمل کرنے کا جذبہ رکھتے اور دیگر عقائد اور عمال میں اصلاح کے ساتھ ساتھ وضو میں بھی پاؤں دھونے لگے ہیں۔ اگر للّٰہیت کے جذبے کے تحت یہی طرز فکر برقرار رہا تو ان شاء اللہ نوربخشی اپنا کھویا ہوا ورثہ حاصل کرنے میں جلد کامیاب ہوں گے۔

خدا رحمت کنا د ایں عاشقانِ پاک طینت را

(جاری ہے)



دار الافتاء (اشاعت خصوصی)

رمضان المبارک کے چند اہم سوالات وجوابات

علامہ محمد بشیر رحمۃ اللہ علیہ

سوال: کسی نے ماہ شعبان کی 30 تاریخ کو نفلی روزہ رکھا تھا۔ رویت ہلال کمیٹی کے ثبوت کے بناء پر وہ دن رمضان کا پہلا روزہ ٹھہرا تو اس شخص کے روزے کا کیا بنے گا؟ (شمارہ نمبر 08)

جواب: 30 شعبان کو اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہو۔ پھر اتفاق سے رویت ہلال کے شرعاً واضح ثبوت کی بناء پر وہ دن یکم رمضان ٹھہرا تو اس صورت میں اس کا نفل والا روزہ خود بخود فرض روزے کی جگہ لے گا۔ وہ دن کو فرض روزے کی یوں نیت کرے گا۔ صُمْتُ الْیَوْمَ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ اَدَاءً لِوُجُوْبِہٖ قُرْبَۃً اِلَی اللہِ۔

سوال: لاعلمی میں پو پھٹنے کے بعد سحری کھانے کا اتفاق ہوا تو روزے کا کیا بنے گا؟ (شمارہ نمبر 20)

جواب: لاعلمی میں پو پھٹنے کے بعد سحری کھانے کا معاملہ ہو جائے تو اس دن کا شرعاً روزہ نہیں ٹھہرتا۔ لہٰذا بعد از رمضان اس کی قضا بجالائے۔

سوال: روزے کی حالت میں مسواک کرنے سے خون نکل آئے تو اس سے روزے پر کیا اثر پڑے گا؟ (شمارہ نمبر 72)

جواب: روزے کی حالت میں مسواک کرنے سے مسوڑوں سے خون نکلتا ہو تو مسواک نہیں کرنا چاہئے۔کیونکہ خون کا نکلنا روزدار کے حق میں مزید کمزوری کا باعث ہے۔اس میں کراہت کا پہلو نمایاں ہے۔روزہ اس سے رفو چکر نہیں ہو گا۔

سوال: ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کی رویت ہلال کمیٹی کے اعلان کے مطابق روزہ رکھتے ہیں اور عید بھی مناتے ہیں کیا ایسا کرنا ہمارے لیے درست ہے؟(شمارہ نمبر 40)

جواب: چونکہ کرگل اور بلتستان کے طلوع آفتاب اور اوقات غروب آفتاب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔لہٰذا کرگل کے نور بخشی مسلمان پاکستان کے رویت ہلال کمیٹی کے اعلان کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔

سوال: بیرون ملک ایک دن کا روزہ رکھ کر پاکستان آنے والے کو پاکستان آکر پورے ماہ صیام کا روزہ رکھنے کی صورت میں ایک ماہ سے زیادہ دنوں کے روزے پڑتے ہیں۔اس کا کیا حکم ہے؟(شمارہ نمبر 36)

جواب: بیرون ملک ایک دن یا دو دن روزہ رکھ کر پاکستان آنے پر پاکستان میں رمضان کا حکم بجالانا پڑے گا۔اوقات میں نمایاں تفاوت کی بناپر اگر اسے کل اکتیس دنوں کے روزے رکھنے پڑے تو ایسا ممکن ہے۔اس کے لیے ضابطہ کلیہ قرآن کی یہ آیت ہے۔فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ۔یعنی جو کوئی ماہ صیام میں حاضر موجود ہو اس کو اس ماہ کا روزہ رکھنا چاہئے۔بیرون ملک مثلاً سعودی عرب میں رمضان کے آغاز میں روزہ رکھنے کے بعد پاکستان آنے والے کو پاکستانیوں کے ساتھ روزے کا حکم بجالانا شرعاً لازم ہو گا۔جس جگہ آدمی رمضان کا مہینہ پالے۔اس کو روزہ رکھنا ہو گا۔کیونکہ حالت بدلنے سے حکم بھی شرعاً بدلتا ہے۔پاکستان روانگی کے دن اس کا روزہ چھوٹ گیا ہو تو اس روزے کی قضا بجالائے گا وجوباً۔اگر کوئی شخص سعودی عرب میں عید الفطر مناکر اسی دن پاکستان آجائے اور پاکستان میں رمضان کی اٹھائیس تاریخ پڑتی ہو تو اسے یہاں کے وقت کے مطابق روزہ رکھنا پڑے گا۔کیونکہ قرآنی آیت کی روسے اس نے اگرچہ ایک جگہ رمضان کے مہینے کا روزہ رکھا مگر حالت کے بدلنے سے دوسری جگہ رمضان کا مہینہ پایا۔لہٰذا اس کو پھر روزہ رکھنا پڑیگا۔بشرطیکہ وہ فی الفور واپس جانے والا نہ ہو۔اسی

طرح سے ایک شخص اٹھائیس رمضان کو پاکستان سے سعودیہ چلا جائے اور سعودی عرب میں ماہ شوال کی دو تاریخ پڑتی ہو تو اس کے لیے یہی کافی ہے اس پر مزید روزہ رکھنا لازم نہیں ہو گا کیونکہ وہ حالت کے تابع ہے اس جگہ رمضان کا مہینہ گزر چکا ہے۔ وجوباً روزہ رکھنے کے لیے رمضان کا مہینہ پالینا ضروری ہے۔

سوال: ماہ رمضان میں دن کے وقت طاقت کا انجکشن لگوانا کیسا ہے؟(شمارہ نمبر 48)

جواب: ماہ رمضان میں دن کے وقت طاقت کا انجکشن لگوانا علاج و معالجے کی غرض سے ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کمزور بیمار آدمی اپنی کمزوری کے باوجود روزہ رکھنا چاہتا ہو تو بذریعہ انجکشن قوت بخش دوا کا استعمال کر سکتا ہے۔ تاہم ایسے بیمار آدمی کے لیے روزہ نہ رکھنا بھی شرعاً روا ہے۔ وہ روزہ رکھتے ہوئے طاقت کے انجکشن کا سہارا لینے کے بجائے روزہ ہی موخر کرے۔ ایسا کرنا اس کی لیے بہتر ہے۔ منہ کے ذریعے کھانے پینے کی صورت میں اس کا روزہ عدم سے ہمکنار ہو جاتا ہے جسم کے مختلف حصوں میں انجکشن لگوانے کی صورت میں روزہ عدم سے ہم کنار نہیں ہو گا البتہ کراہت سے خالی نہیں ہے۔ پس بیمار آدمی کے سوا تندرست آدمی کو روزے کی حالت میں طاقت کا انجکشن لگوانے سے کنارہ کش رہنا ہی بہتر بلکہ ضروری ہی سمجھ لینا چاہئے۔

سوال: ماہ رمضان میں دن کو گہری نیند آنے کی صورت میں روزہ دار احتلام کا شکار ہو جائے تو اس کے روزے کا کیا بنے گا؟(شمارہ نمبر 56)

جواب: ماہ رمضان کے موقع پر کوئی روزہ دار دن کو گہری نیند سو جانے کی وجہ سے اگر احتلام کا شکار ہو جائے تو اس کے لیے شرعاً یہ حکم ہے کہ وہ بیدار ہونے پر غسل کرے۔ عوام میں ایک بات یوں گردش کرتی ہے کہ ایسے موقع پر روزہ دار کسی سے کوئی بات کئے بغیر غسل سے فارغ ہو جائے۔ اگر اس نے غسل کرنے سے پہلے کوئی بات کی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ یہ بے وزن اور مضحکہ خیز بات ہے۔ اس کا حکم بیدار ہونے پر غسل کرنا ہے اس کے لیے بات کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

سوال: ماہ رمضان کے دوران آدمی کو دن کے وقت سونے میں احتلام لاحق ہو جائے تو کیا روزہ متاثر ہو گا؟

(شمارہ نمبر103)

جواب: وہ نیند کے بیدار ہونے پر غسل بجالائے اس کا روزہ شرعاً متاثر نہیں ہو گا۔

سوال: صرف پیار اور دل لگی کرنے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟(شمارہ نمبر08)

جواب: بیوی کے ساتھ صرف پیار اور دل لگی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ تاہم روزے کی حالت میں پیار اور دل لگی کرنے میں مبالغہ سے کام نہیں لینا چاہئے۔

سوال: ماہ رمضان میں روزے کی حالت میں کسی قسم کا جنسی فعل نہیں بلکہ صرف آپس کی دل لگی کرنے سے اگر مذی نکل آئے یا غیر اختیار صورت میں منی کا خروج بھی متحقق ہو جائے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟ (شمارہ نمبر69)

جواب: روزے کی حالت میں زوجین کے آپس میں بوسہ بازی اور دل لگی اور صرف ہنسی مذاق کی صورتیں مکروہات روزہ میں شامل ہیں۔ ایسی صورت میں خروج مذی سے تو نہ وضو ٹوٹ سکتا ہے نہ روزہ۔ البتہ اس قسم کے ہنسی مذاق وغیرہ کے نتیجے میں غیر اختیاری طور پر منی کا نکل آنا باعث کراہت ٹھہرتا ہے۔ زوجین میں جس کو یہ حالت لاحق ہو جائے وہ غسل جنابت کرے۔ مزید تفصیلات کے لیے فقہ احوط باب الصوم میں مکروہات روزہ کی فہرست دیکھ لیں۔

سوال: کیا بیمار آدمی کے لیے روزہ رکھنے کے بجائے صرف مد کی ادائیگی کافی ہے؟(شمارہ نمبر56)

جواب: اگر بیمار شخص انتہائی کمزور اور عمر سیدہ ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت اس میں سرے سے نہ ہو اس کے حق میں روزے کے بجائے مد کی ادائیگی کافی ہے۔ اس کے علاوہ عام بیمار لوگوں کے حق میں روزہ افطار کرنا درست ہے۔ صحت یابی کے بعد روزے کی قضا واجب ہو جاتی ہے۔ ایسے بیمار حضرات کے لیے مد کی ادائیگی شرعاً درست نہیں ہے۔ ورنہ ہر کوئی بیماری کا بہانہ بنا کر روزہ رکھنے کے بجائے مد کی ادائیگی کا سہارا لینے لگے گا۔

سوال: متنفل روزہ دار کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے دعوت طعام کو مسترد کرنا چاہئے یا قبول؟

(شمارہ نمبر82)

جواب:۔ یہاں پر دعوت طعام کو شرف قبولیت بخشنا شرعاً بہتر ہے، بشر طیکہ میزبان جان بوجھ کر روزہ دار کا مضحکہ اڑانے والا نہ ہو اور وہ لاعلمی میں خلوص نیت کے ساتھ دعوت طعام دے رہا ہو۔

سوال: کسی نے نفل روزہ رکھا ہو اور اسے کھانے کی دعوت دی جائے تو کیا وہ زوال کے بعد بھی روزہ کھول سکتا ہے؟(شمارہ نمبر35)

جواب: نفل کا روزہ ہو تو کھانے کی عوت دینے کی صورت میں دعوت کو قبول کرنا بہتر ہے اس کے لیے زوال سے پہلے یا زوال کے بعد والی کوئی قید شرعاً ضروری نہیں۔

سوال: سن رُشد کو پہنچنے والا بچہ روزہ رکھا ہوا ہے۔ اس دوران وہ بالکل بالغ ہو جائے تو اس کا روزہ فرض کی جگہ لے گا؟(شمارہ نمبر106)

جواب: سن رشد والا روزہ دار بچہ روزے کے دوران بالکل بالغ ہو جائے تو اس کے حق میں اس کا مسنون روزہ فرض روزے کی جگہ لے گا گویا اس کا مسنون روزہ فرض روزے کی کفایت کرے گا شرعاً۔

سوال: جس کے ذمےّ قضائے رمضان کے روزے باقی ہوں اس کے لیے شوال کے مسنون روزے، اٹھارہ ذوالحج کا روزہ نیز تاسوعا اور عاشورا کے روزے رکھنے کا معاملہ کیا ہے؟(شمارہ نمبر106)

جواب: جس کے ذمےّ واجب روزوں کی قضا باقی ہوں اس کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ مسنون روزہ رکھنے کے بجائے پہلے واجب روزوں کی قضاء بجالانے کا اہتمام کرے تاہم مسنون روزہ بھی اس کے حق میں نفسِ جواز کا درجہ رکھتا ہے لیکن بہتر نہیں ہے۔



حدیث نبوی ﷺ

شیطان مرشد

غلام حسن حسنو

(نوٹ: اس عنوان سے ایک حدیث نبوی ﷺ، اس کا اردو ترجمہ، تخریج اور تشریح پیش کی جاتی ہے۔)

مَنْ لَا شَيْخَ لَهُ فَشَيْخُهُ الشَّيْطَانُ۔

جس کا کوئی مرشد (شیخ) نہ ہو اس کا مرشد (شیخ) شیطان ہے۔

میر سید محمد نور بخش کے نامور مرید اور خلیفہ شمس الدین لاہیجی اسی معنی میں لکھتے ہیں۔

حال لَا شَيْخَ لَهُ را گوش کن
شَيْخُهُ الشَّيْطَانُ ز دانا گوش کن

یہ حدیث اسی طرح اور معمولی فرق کے ساتھ ان کتابوں میں نقل ہوا ہے۔

i. احادیث مثنوی ص ۸۲۔
ii. العروۃ لاھل الخلوۃ والجلوۃ ص ۲۸۷۔
iii. مناقب الصوفیہ ص ۶۰، ۱۲۱۔
iv. مجموعہ آثار فارسی احمد غزالی ص ۲۴۹۔
v. شرح احوال و آثار سید محمد نور بخش ص ۹۵، ۵۷۔
vi. زبدۃ المناقب ص ۸۰۔
vii. اسرار الشہود ص ۲۹۔

.viii رسالہ حدوث وقدم ص ۴۔

.ix وجود مطلق ص ۳۔

.x بحارالانوار جلد سوم ص ۲۸۷۔

.xi جامع الصغیر جلد دوم ص ۹۰۔

.xii مجموعہ رسائل امام محمد غزالی ص ۴۹۳۔

.xiii مجموعہ رسائل نوربخش ص ۵۶۔

.xiv مجموعہ رسائل نوربخشیہ ص ۳۳۳، ۲۸۰، ۲۰۵، ۱۷۴۔

.xv زین المعتقد لاہل المعتقد۔

اس حدیث میں استاد، مرشد اور راہنما کی ضرورت واہمیت کو واضح کیا گیا ہے اسی سلسلے میں میر سید علی ہمدانیؒ اور میر سید محمد نوربخشؒ کے رسائل میں عطار نیشاپوری کا یہ شعر بھی تواتر سے دیا گیا ہے۔

پیر باید مرد را تنہا مرو

از سر عمیا درین دریا مرد

☆یعنی سالک کے لیے پیرومرشد ضروری ہے اندھادھند اس دریا میں نہیں کودا جاسکتا۔

تصوف وسلوک اللہ تعالیٰ جل مجدہ تک پہنچنے اور اس کا قرب ووصال پانے کا مؤثر ذریعہ ہے اور یہ دینی اور دنیوی کاموں میں سب سے مہتم بالشان کام ہے بندے کو اس کے لیے مالک وآقا تک پہنچنے، رسائی پانے سے بڑا اور عظیم کام کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ جس قدر یہ کام اہمیت، کیفیت اور افادیت کے لحاظ سے مہتم بالشان ہے اسی قدر اس راہ میں ہر ہر منزل پر شیطان اور نفس انسانی کی رکاوٹیں، اور خطرات موجود ہیں جنہیں عبور کرنا، مختلف مغالطوں اور شیطانی وساوس سے بچ نکلنا ضروری ہے۔

چنانچہ اس راہ کو طے کرنے کے لیے خصوصی اہتمام کرنے کی ضرورت ہے اس راہ کو طے کرنے والے سالک کو بلند ہمت ہونا، تشویق واخلاص سے سرشار ہونا ضروری ہے وہاں اس کے لیے ایک ایسے استاد (پیرومرشد) کی ضرورت ہے جو خود اس راہ سلوک پر چل کر وصال وقرب حق سے واصل ہو چکا ہو تاکہ وہ اس

استاد کی راہنمائی و سرپرستی میں آگے بڑھے ترقی کرتا چلا جائے اور وصال و قربِ حق سے نائل ہو جائے۔

راہ سلوک طے کرنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں اسی طرح اسے طے کرنے والے سالکین کی راہنمائی ہر نتھو خیرے سے نہیں ہو سکتا۔اس راہ میں بے شمار اور بے انتہا مقامات، منازل اور گھاٹیاں ہوتی ہیں جن پر شیطانی وساوس اور نفسائی خواہشات تمام تر فریبوں، دھوکوں اور مغالطوں کے ساتھ موجود ہوتے ہیں سالک کو پھنسانے، پھسلوانے اور گمراہ کرنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں اگر گمراہ نہ کر سکے تو کسی مقام پر پھنسا دیتا ہے اور سالک مقصد اعلیٰ تک پہنچ نہیں پاتا۔

بعض لوگ اس حدیث کے حوالے سے سوال کرتے ہیں کہ کیا ہم تمام نور بخشیوں کے لیے پیر کا ہونا ضروری ہے؟ جواب یہ ہے کہ ریاضت کرنے والوں اور راہ سلوک میں چلنے والوں کے لیے پیر و مرشد لازی ہے پیر و مرشد کی راہبری وراہنمائی کے بغیر سلوک وریاضت درست نہیں لیکن جو لوگ ریاضت و سلوک نہیں کرتے ان لوگوں کے لیے پیر و مرشد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بعض یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا پیر و مرشد ایک ہونا ضروری ہے یا ایک سے زائد کی گنجائش موجود ہے؟

جواب یہ ہے کہ پیر و مرشد ایک ہونے کی کوئی قید موجود نہیں ایک سے زائد کی گنجائش موجود ہے۔ بلکہ عملاً ایک ہی دور میں متعدد پیر و مرشد موجود رہے ہیں حضرت معروف کرخیؒ سے میر شمس الدین عراقیؒ تک جتنے مشائخِ سلسلۃ الذہب الصوفیہ گزرے ہیں ان کے متعدد خلیفہ ہوا کرتے تھے جو مختلف علاقوں میں سیر سلوک کرنے والوں کی راہنمائی وراہبری کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔اس لیے ایک ہی پیر و مرشد کی موجودگی ضروری نہیں البتہ ملت کی یکجہتی اور اتفاق واتحاد کے لیے ایک مرکزی پیر و مرشد ہو تو بہت ہی اچھی بات ہے لیکن یہ کوئی روایتی گدی نشین نہ ہو بلکہ خالصتاً میرٹ کی بنیاد پر اہل ہو اور پیر و مرشد کے اوصاف وخصائل سے مزین و متصف ہو۔



تراجم مخطوطات

بهجة الطائفه

حضرت شیخ عمار یاسر بدلیسیؒ

ترجمہ: مولانا علی محمد محمدی منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

(ہم یہاں کعبہ کی زیارت کی استطاعت نہ رکھنے والے مساکین کی مسکنت کے اسرار دوبارہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان مساکین کی جمعہ کی طرف کی جانے والی قصد کو کعبہ کی طرف قصد کرنے والے حجاج کرام کی قصد کی مانند قرار دیا ہے۔اور یہ ان کے قلوب کا کعبۂ حقیقی اللہ کے قرب کی بناء پر، اللہ ہی کی خاطر ان کے جمع ہونے کی وجہ سے اور ان کا اللہ کے مشاہدہ کی وجہ سے جمعہ ان کا حج بن گیا ہے۔)

جمعہ کے اسرار و معارف کی حقیقت

جمعہ کئی معانی اور مفاہیم پر مشتمل ہے۔

جمعہ کا پہلا معنیٰ و مفہوم

جمعہ کے اندر قبولیتِ دعا کی ایک گھڑی ہے پس جو کوئی قبولیت دُعا کی اس گھڑی کو پانے میں کامیاب ہو جائے تو اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے سو اس نے اپنے اس جمعہ میں ہی حج کر لیا اسے اس کے ہر جمعہ میں حج ہے۔

جمعہ کا دوسرا معنیٰ و مفہوم

قبولیتِ دعا کی گھڑی کو پانے میں کامیاب ہونے والے کی اجابت کی اس ساعت کا مقام و مرتبہ اس لیے اللہ کے نزدیک حج کا قائم مقام ہے سو جس شخص کے پاس حجِ بیت اللہ کی استطاعت نہ ہو وہ اگر اس گھڑی کو پانے میں کامیاب ہو جائے تو وہ ثواب میں حج کے برابر ہے کیونکہ جس طرح دعا حجِ بیت اللہ کے موقعہ پر شرف قبولیت پا لیتی ہے اسی طرح جمعہ کی اس خاص گھڑی میں بھی دعا قبولیت سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔اور جس کی دعا شرفِ قبولیت سے شرفیاب ہو جائے اس کیے زمین لپیٹ دی جاتی ہے وہ کعبہ شریف کی طرف اس کی زیارت کیے آنکھ جھپکنے کی

مقدار میں چلا جاتا ہے یا کعبہ خود اس عبدِ مقرب کی دیدار کیے چلا آتا ہے۔

جمعہ کا تیسرا معنیٰ و مفہوم

جمعہ میں اسی طرح قلبی عبادت کا سر اور جسمانی اور بدنی عبادت کا راز ہے جس طرح حج میں ہے۔ سو جس کی مسکنت درجہ صحت کو پہنچ جائے تو جمعہ حج بن جاتا ہے کیونکہ حالتِ مسکنت میں حج ساقط ہو جاتا ہے اور جمعہ واجب ہو جاتا ہے۔ یہ شریعت اور حقیقت کی روشنی میں صحیح مسکنت کے موجودگی کی وجہ سے ہے۔ پس شریعت کی روسے ان کے عجز، فقر اور مال کی قلت کی بناء پر جمعہ، حج ہو جاتا ہے۔

حقیقت کی روسے جمعہ اس لیے ان کا حج ہو جاتا ہے کیونکہ وہ یومِ مزید یعنی وہ خاص دن جس میں مزید قرب کا سامان ہو، ہے اور اس میں اہلِ مسکنت اور اربابِ تجرید کیے فوائد ہیں کیونکہ مساکین، ابنائے آخرت ہوتے ہیں، اور یومِ جمعہ ایام آخرت میں سے ہے، اہل مسکنت آخرت کے دن جو کچھ ہیں، کا مشاہدہ کرلیتا ہے کیونکہ جمعہ اور حج کے درمیان وجہ مناسبت لوگوں کا اجتماع ہے اور اہلِ حقیقت میں سے مساکین کی نگاہ میں، قیامت وہ دن ہے جس میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مسکنت کی حقیقت ان مساکین کے قلوب کا اللہ کی طرف سکون پانا ہے۔ اور ماسو اللہ سے وحشت محسوس کرنا ہے۔

اسی معنیٰ کی بناء پر جمعہ کو ان کا حج بنایا گیا ہے حج کی ظاہری شروط ان سے ساقط ہیں اور حقیقت حج کا باطن ان کے پاس موجود ہے اور ان کے پاس مشہود و حاضر ہے اور مسکنت کے اس شرف کی موجودگی کی بنأپر ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ[34]

اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین کی ہی موت عطا کر اور قیامت کے دن میرا حشر مساکین میں فرما۔

جمعہ کا چوتھا معنیٰ مفہوم

جمعہ کو مسکینوں کا حج اسے کہا جاتا ہے کیونکہ اس دن مساکین کو مساکین کی خلعت عطا کی جاتی ہے اسیے جنت میں اس دن کو یومِ مزید کہا جائے گا اس میں فرشتوں کا نزول ہو گا اور فرشتے انواع و اقسام کے فوائد لے کر

34۔ انظر المعجم المفهرس ۶:۲۲۶، تحت: مسکن۔

اتریں گے اور قلبی معاملات والوں کیے ان کے کشف پر مزید کشف، ان کے مشاہدہ پر مزید مشاہدہ، ان کے انس پر مزید انس عطا کی جائے گی کیونکہ جمعہ اجابت و قبولیتِ دعا کے سر کی معرفت کے ساتھ مخصوص ہے جمعہ ہر طالب کو اس کے مطلوب کے ساتھ، ہر قاصد کو اپنے مقصود کے ساتھ، ملاتا ہے اور یہ اللہ کے مزید فضل کی وجہ سے ہے جو اللہ کی بارگاہ میں تمام دنوں کے مقابلے میں اس دن کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام انسانوں پر جمعہ کے دن عموماً اور اہل مساکین پر خصوصاً مزید فضل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

سَیِّدُ الْاَیَّامِ یَوْمُ الْجُمُعَةِ[35] دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے۔

بالکل اسی طرح جمعہ کے دن پڑھی جانے والی نماز تمام نمازوں کی سردار ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اس دن اللہ کی بارگاہ سے اپنے اولیائ کے لیے ان کے قلوب اور اسرار کی طرف تحفے، ہدیے اور بخشش اترتے ہیں کیونکہ جمعہ کا دن اہل مجالست اور اہل اقتراب (اللہ کی قربت اختیار کرنے والوں) کے لیے حجابات و پردوں کے رفع کے ساتھ مخصوص ہے۔ اِسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے شبِ جمعہ کا نام لیلۃ الغراء رکھا ہے۔ اور روزِ جمعہ کا نام یوم الارضی رکھا ہے کیونکہ اس دن بارگاہِ الٰہی کے مقربین، ابرار، سابقین اور اخیار کے دلوں کی طرف ملائکہ، انوار اور اسرار اترتے ہیں۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

اہلِ شریعت اور اہلِ حقیقت دونوں گروہوں کی اصطلاح میں جمعہ کا نام جمعہ اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اس دن مخلوق کا اجتماع ہوتی ہے۔ جس طرح اس دن انسان اکٹھے ہوتے ہیں بالکل اسی طرح روحانیین بھی جمع ہوتے ہیں سو جو کوئی اجابت و قبولیت کی اس ساعت بابرکت کا مشاہدہ کرلے تو وہ نزولِ ملائکہ کے ان فوائد کا مشاہدہ کرتا ہے جنہیں اہلِ نظر اور اہلِ معرفت علیین کی طرف اپنے دل کی آنکھ سے پاتے ہیں۔

پس دلوں کا حج علام الغیوب کی طرف اور اجسام کا حج بیت الحرام کی طرف ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے حج کو مساکین کے ساتھ مخصوص کیا ہے نہ کہ عالمین کے ساتھ۔ کیونکہ مساکین ہی واصل بحق ہونے والے اور اہلِ تمکین ہوتے ہیں جبکہ کعبہ کے حجاج، تمام صاحبانِ استطاعت مسلمان ہوتے ہیں۔

35. انظر المعجم المفہرس ۳:۱۸، تحت :سود

معرفت جمعہ میں لوگوں کے درجے

پس جمعہ کی معرفت کے بارے میں لوگوں کے درجے مختلف ہیں۔ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو جمعہ سے ثواب پا کر نکلتے ہیں، اور ان پر اب بھی حساب کا خوف ہے۔اور بعض وہ لوگ ہیں جو جمعہ کا ثواب پا کر اس حال میں نکلتے ہیں کہ ان کی دعا اجابت کا درجہ پاجاتی ہے اسے انہوں نے ثواب اور اجابت دونوں حاصل کر لیے ہیں۔جس کی دعا اجابت و قبولیت کی منزل سے مل جائے تو اس کی حاجت پوری کر دی جاتی ہے اور اس کی دعا اجابت سے ہمکنار ہو جاتی ہے اور وہ لوگ جو اجابت کی اس گھڑی سے ناواقف ہے وہ جمعہ کی نماز والا ہے اہل الصلات اور اہل مجالست نہیں۔

وہ لوگ جنھوں نے اجابت کی اس گھڑی کی معرفت حاصل کرلی تو گویا انہوں نے دعا کی اجابت کی معرفت بھی حاصل کرلی اور دعا کی استجابت کا مقام انہیں عطا کر دیا جاتا ہے۔پھر ان کے تمام اوقات قبولیتِ دعا کے اوقات بن جاتے ہیں۔جب تک وہ قبولیتِ دعا کی اس گھڑی کے سر میں ہے وہ سرّ ان کے اسرار کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کے قلوب کے ساتھ ہوتا ہے۔پھر سرّ ان کا حال اور وصف ہوتا ہے اور تصرفِ سرّ اللہ کی طرف ان کا پیغام رساں ہوتا ہے۔پس وہ قبولیتِ دعا کی ساعت ان کا حج ہے اللہ کی بارگاہ میں حج گزار رہے۔



ذکر الٰہی

حقیقت میں ذکر سے مراد ذکرِ قلبی ہے نہ کہ ذکرِ لسانی۔منتہی یعنی اہلِ نہایت کے نزدیک ذکرِ قلبی پردوں کے اٹھنے کا تقاضا کرتا ہے۔در حقیقت ذاکر وہ ہے جو مذکورِ حق ہو۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ [36] تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

اور حقیقت اور رضا کی شرط کے ساتھ مذکورِ حق، وہ ہے جو اللہ کے ذکر کی وجہ سے ماسوا اللہ کو بھول جائے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرمان ہے:

36۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۲

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ [37] اور اپنے رب کا ذکر کیا کریں جب آپ بھول جائیں۔

یعنی جب آپ میرا ذکر ایسا کرے کہ میرا ذکر ماسوا اللہ کو بھلا دے تو آپ نے میرا ذکر کر لیا۔ اور اللہ کا ارشاد:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ [38] سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا،

کا معنی ہے تم میرا ذکر اس طرح کرو کہ وہ میری بارگاہ میں تمہارے ذکر کا موجب بن جائے اور یہ ذکرِ قلبی ہے کیونکہ جب دل ذکر کرے تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کے بندہ کا ذکر کرنے کا معنی: اس بندہ کی طرف نظرِ توجہ کرنا ہے، اس کی عزت افزائی کرنا ہے اور اس کو اپنی قربت سے نوازنا ہے اور یہ اس کا اپنے دل میں ذکر کرنا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ [39]

جو میرا ذکر اپنے دل میں کرے تو میں بھی اس کا ذکر دل میں کرتا ہوں اور جو میرا ذکر کسی مجلس میں کرے تو میں بھی اس کا ذکر مجلس میں کرتا ہوں جو ان کی مجلس سے بہتر ہے۔

ذکر قلبی کی دو اقسام

1. نوعِ استئناسی: یہ لطائف کے مقام پر ہے۔
2. نوعِ استغراقی: ذکر کی یہ قسم مقامِ مشاہدہ میں حق تعالیٰ کا اس ذاکرِ حق کا ذکر کرنا ہے۔ پس وہ مذکورِ حق ہے کیونکہ ذکرِ حق کی سطوت کا مشاہدہ، اس ذاکرِ حق کو ذکر سے مسلوب کر کے شہود کی طرف کر دیتا ہے چنانچہ ذاکرِ حق، حق تعالیٰ کا جلیس و ہمنشین بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ میں اس کا ہمنشین ہو جاتا ہوں جو میرا ذکر کرے۔



37. سورۃ الکهف آیت ۲۴
38. سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۲
39. انظر المعجم المفهرس ۱۴۹:۲، تحت: ذکر

اسلامی تقویم کے مہینے

ماہ شعبان المعظم

غلام حسن حسنو

ماہ شعبان اسلامی تقویم کا آٹھواں مہینہ ہے اس سے پہلے رجب کا مہینہ اور بعد میں رمضان کا مہینہ ہے۔شعبان کی اصل شعب ہے اور شعب عربی میں گھاٹی، درہ اور پہاڑ پر جانے کے راستہ کے معنی میں مستعمل ہے۔اور یہ بھلائی و خیر و برکت کا راستہ ہے۔اس مہینے میں شب برات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے چنانچہ اس مناسبت سے یہ رات لیلۃ الشفاعت، شبِ مغفرت اور شبِ آزادی بھی ہے۔

ماہ شعبان اور نبوی عمل

حضرت ابوہریرہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس مہینے کو اپنا مہینہ قرار دیا ہے فرماتے ہیں کہ رجب اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے، شعبان میرا اور اور رمضان میری اُمت کا مہینہ ہے۔اسی طرح حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے نزدیک سب سے محبوب مہینہ ماہ شعبان تھے۔

اپنا مہینہ قرار دینے اور سب سے محبوب رکھنے کے ساتھ ساتھ حضور اس مہینے میں خصوصی عبادت کیا کرتے تھے۔احادیث کی کتابوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مہینے کے چند دنوں کے سوا پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ ماہ شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ تمام مہینوں میں سے سے زیادہ ماہ شعبان میں

روزے رکھتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ سے بھی یہی روایت ہے۔

☆ یکم شعبان کو حضرت شیخ سری سقطیؒ نے وفات پائی تھی۔ جو حضرت معروف کرخیؒ کے شاگرد و خلیفہ اور شیخ جنید بغدادیؒ کے استاد اور پیر و مرشد تھے تذکرہ نگاروں کے مطابق بغداد میں علم تصوف پر سب سے پہلے آپ نے کھل کر بات کی تھی۔

☆ ۲ شعبان ۵ ہجری کو غزوۂ مریسع / بنی مصطلق پیش آیا تھا یہ نواح مدینہ میں یہودی تھے اگرچہ ہجرت کے فوراً بعد ایک معاہدے میثاقِ مدینہ کے تحت مسلمانوں کے حلیف تھے مگر یہ یہودی درپردہ بار بار پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مدینہ منورہ میں شرارتیں اور سازشیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کے خلاف فوج کشی کی گئی اس غزوہ میں مسلمانوں کو مکمل فتح حاصل ہوئی۔

☆ ۳ شعبان کو حضور ﷺ نے حضرت عمر کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے شادی کی۔ نواسہ رسول سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام ۳ شعبان کو پیدا ہوئے۔

☆ ۱۴ شعبان کو شب برات۔ یہ رات لیلۃ الشفاعت، شبِ مغفرت اور شبِ آزادی اور شبِ عفو و در گزر کے ناموں سے بھی موسوم ہے۔ اس رات خصوصی عبادات بجالائی جاتی اور نفلی نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔

حضرت عروہؓ و حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں فرماتی ہیں کہ ایک رات آنحضور کو بستر پر نہ پایا میں تلاش میں باہر نکلی آپ کو قبرستان بقیع میں موجود پایا۔ سر آسمان کی جانب ہیں مجھے دیکھ کر فرمایا کہ تمہیں اس بات کا اندیشہ ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول تمہاری حق تلفی کریں گے میں نے عرض کیا جی میرا گمان تو یہی تھا۔ کہ آپ کسی بی بی کے ہاں گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات اللہ تعالیٰ دنیا کے آسمان پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کے شمار سے زیادہ لوگوں کی بخشش فرماتا ہے۔

شیخ ابو نصر حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کونسی رات ہے؟ میں نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے اس رات دنیا کے اعمال یعنی بندوں کے اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں اللہ تعالی اس رات بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں لوگوں کو دوزخ

سے آزاد کرتا ہے۔کیا تم اس رات مجھے عبادت کی آزادی دیتی ہو؟ میں عرض کیا کہ ضرور۔پھر آپ نے نماز پڑھی اور قیام میں تخفیف کی فاتحہ اورایک چھوٹی سورت پڑھی پھر آدھی رات تک سجدے میں رہے پھر دوسری رکعت پڑھی پہلی کی مانند قرات فرمائی اور فجر تک سجدے میں رہے مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ کی روح پرواز کر گئی ہے نزدیک آکر تلوا چھوا تو میں نے سنا حضور دعا فرمارہے ہیں۔

امام نسائی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حصرت اسامہ رضی اللہ عنہ ُسے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کو اس قدر روزے رکھتے نہیں دیکھا جس قدر آپ ماہ شعبان میں رکھتے ہیں؟ فرمایا یہ وہ مہینہ ہے جس سے لوگ غافل ہیں یہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں لوگوں کے اعمال رب العالمین کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں میں نے پسند کیا کہ میرا عمل پیش ہو تو میں روزے سے ہوں۔

ان احادیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ رجب، شعبان اور رمضان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔یہ تین مہینے آپس میں ملے ہوئے بلکہ مسلسل ہیں اگرچہ رجب چاروں شہر الحرام یعنی حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے مگر باقی دونوں مہینے حرمت والے مہینے نہیں ہیں لیکن پھر بھی ان کی بڑی اہمیت اور قدر و منزلت انہی تینوں مہینوں میں بالترتیب شبِ رغائب، شبِ برات اور شبِ قدر ہیں۔

اہتمام ماہ شعبان

حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ جب ماہ شعبان آتا تو نبی کریم ﷺ فرماتے کہ اس مہینے میں اپنی جانوں کو پاک کیا کرو اور اپنی نیتوں کو درست کر لو۔

حدیث میں یہ بھی منقول ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی دو عیدیں ہیں ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ۔اسی طرح آسمان میں فرشتوں کی بھی دو عیدیں ہیں ایک شب برات اور دوسری شب قدر۔

حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے تیرہویں شب کو اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی امت کی شفاعت کی تو آپ کو ایک تہائی عطا ہوا پھر چودھویں شب کو دعا کی تو ایک تہائی عطا ہوا پھر پندرھویں شب کو دعا کی تو سب کچھ عطا ہوا سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ سے بدکے ہوئے اونٹ کی مانند دور بھاگے۔

مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کو بندوں پر نظر فرماتا ہے پھر اہل زمین کو معاف کرتا ہے سوائے دو کے۔ ا۔ مشرک اور ۲۔ کینہ ور۔

حضرت علی فرماتے ہیں نصف شعبان کی رات اللہ تعالیٰ قریب ترین آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور مشرک، دل میں کینہ رکھنے والے، رشتہ داریوں کو منقطع کرنے والے اور بدکار عورت کے سوا سب کی بخشش کرتا ہے۔

شب برات کا خاص عمل

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ سے سنی ہے کہ جو ۱۰۰ رکعت نفل پڑھے اور فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص ۱۰ دفعہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی طرف ۷۰ مرتبہ دیکھتا ہے اور اس کی ستر حاجتیں پوری کرتا ہے۔ حضرت سید عبد القادر جیلانی مؤسس سلسلۂ قادریہ نے غنیۃ الطالبین میں حضرت حسن بصری سے مروی نفل نماز کی سفارش کی ہے۔ مسلک نوربخشیہ میں بھی اس پر مکمل عمل کیا جاتا ہے ہمارے مساجد میں باجماعت ۱۰۰ رکعت نفل پڑھی جاتی ہے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص ۱۰ بار پڑھی جاتی ہے۔

آج کل بہت سے خوش نصیب اپنے اپنے علاقے کی مساجد اور خانقاہوں میں شب قدر کی طرح شبِ برات کی شب بیداری کا اہتمام کرتے ہیں اور رات بھر نوافل اور ذکر و اذکار کی محفل منعقد کر کے اللہ تعالی کے رحمتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں شب بیداری کی محفل کیوں نہ جمائے؟ حدیث رسول میں ہے کہ اس نماز کے پڑھنے سے برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

لہذا صاحب شعور، اہل بصیرت اور عقل والوں کو چاہیے کہ اس مقدس اور بابرکت رات میں ذکر و اذکار کی محافل میں شریک ہوں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالی کا ذکر جنت کے باغیچوں میں سے ایک ہے جو جماعت اللہ جل شانہ کے ذکر میں مشغول ہوتی ہے اسے فرشتے گھیر لیتے ہیں اور انہیں ہر طرف سے رحمت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے نیز اس ذات سے کثرت سے استغفار کریں صدق دل، خلوص اور شرمندگی کے ساتھ توبہ کریں اور اللہ تعالی سے معافی اور بخشش مانگیں ندامت کے آنسو بہائیں کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو

شخص یہ خواہش رکھتا ہو کہ وہ قیامت میں اپنے نامۂ اعمال کو دیکھ کو خوش ہو تو اس کو چاہئے کہ کثرت سے استغفار پڑھے کیونکہ حضور ﷺ ہر دن سو بار استغفار پڑھتے تھے۔

اس لیے ہم پر لازم ہے کہ اس رات یعنی شبِ برات میں خصوصیت کے ساتھ شب بیداری کا اہتمام کریں نوافل کی ادائیگی، ذکر و اذکار، حمد و نعت اور توبہ و استغفار میں رات گزاریں عالم اسلام، پاکستان اور اپنے مسلمان بھائیوں کے حق میں خصوصی دعائیں مانگیں مغفرت، بخشش، نجات اور عافیت طلب کریں اور ہر ایک کے لیے ضروری ہے کہ اس مقدس اور بابرکت رات کو خُواب غفلت میں سونے کی بجائے شب بیداری کریں اور اللہ تعالی کی رحمت سے جولی بھر لیں۔

☆ ۱۴ شعبان کو نور بخشی میر سید محمد نور بخش کی یوم ولادت مناتے ہیں یہ بہشت صولقان نامی کتاب کے سوا کسی تذکرے میں منقول نہیں معلوم ہوتا ہے اس کتاب میں یہ تاریخ کسی بلتستانی نور بخشی سے سن کر درج ہوا ہے۔ نور بخش کی یوم ولادت ان کی اپنی تحریر کے مطابق ۲۷ محرم الحرام ہے۔

☆ ۱۵ شعبان کو حضرت امام محمد المہدی بن امام حسن عسکری علیہم السلام پیدا ہوئے۔اس دن جشن ولادت امام مہدی مناتے ہیں۔

☆ ۱۷ شعبان ۲ ہجری کو نماز ظہر باجماعت ادا کرتے ہوئے تحویل قبلہ ہوا۔اس سے پہلے یہود و نصاری کی مانند مسلمان بھی بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز پڑھتے تھے جس پر یہود و نصاری درپردہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ قرآن مجید کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا۔ حضور کے ساتھ صحابۂ کرام کی ایک جماعت مدینہ میں بنی سالم کی مسجد میں نماز ظہر باجماعت ادا فرما رہے تھے ابھی دو رکعتیں پڑھی تھیں کہ جبریل امین تحویل قبلہ کا حکم لے کر نازل ہوا اور آپ کو شانوں سے پکڑ کر مسجد الحرام کی جانب رخ کرا دیا چنانچہ آپ کے ساتھ جماعت نے گھوم کر اپنا رخ مسجد الحرام کی جانب پھیر دیا۔ جہاں یہ واقعہ پیش آیا وہ مسجد ذو القبلتین کے نام سے اب بھی موجود ہے۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

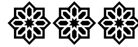
قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ شَطْرَہٗ ۔

ہم نے بار بار آسمان کی جانب تمہیں رخ کرتے ہوئے دیکھا پس ہم اس قبلے کی جانب آپ کا رخ پھیر دیں گے جسے تم چاہتے ہو پس مسجد الحرام کی جانب اپنا رخ پھیر لیں جہاں کہیں جس حال میں ہو اپنا رخ مسجد الحرام کی جانب کر لیں۔(البقرۃ ۱۴۴)

☆ بارہویں ہجری اسی مہینے میں نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد مدعی نبوت مسلیمۂ کذاب قتل ہوا تھا اور ایک بڑے فتنہ کا خاتمہ ہوا تھا۔واضح رہے کہ اسود عنسی اور مسیلمہ نے نہ صرف نبوت کا دعوی کیا تھا بلکہ بہت سارے لوگوں کو گمراہ بنایا تھا اور مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی تھی چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے صحابۂ کرام کی مشاورت سے فتنۂ ارتداد کے خلاف لشکر کشی کی جس میں یہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔

☆ ستائیسویں ہجری اسی مہینے میں بعہد حضرت عثمان غنیؓ براعظم افریقہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اس مہم میں حضرت امام حسن و حسین علیہم السلام بھی شریک تھے۔اس کے بعد مسلمانوں کے فتوحات کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔آج دنیا میں سو سے زاید اسلامی ممالک ہیں جن میں سے نصف سے زیادہ ممالک عرب ہیں اوران عرب ممالک میں سے نصف سے زیادہ براعظم افریقہ میں واقع ہیں۔



احوالِ صوفیہ

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

مولوی عبدالحمید

تعارف:

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے والدین نصرانی تھے چنانچہ آپ کو کلیسا میں داخل کیا گیا تو معلم پادری نے درس دیتے ہوئے کہا کہ کہو ثالث ثلاثہ یعنی خدا تین میں سے ایک ہے۔ آپ نے کہا ھو اللہ احد وہ اللہ یکتا (ایک) ہے۔ پادری نے بہت سمجھایا کہ آپ ثالث ثلاثہ کہے لیکن آپ اللہ واحد کہتے رہے جس پر پادری نے آپ کو زد کوب کیا تا کہ آپ تین خدا کا قائل ہو سکے۔ آخر کار آپ وہاں سے فرار ہوئے اور علی بن موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور انھیں سے بیعت کی۔ اور طویل عرصہ ان کی خدمت میں رہے۔ جب والدین کی یاد آپ کو ستانے لگے تو امام سے اجازت لے کر بغداد والدین سے ملنے چلے گئے آپ کے احوال سے متاثر ہو کر والدین بھی مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت داود طائی وغیرہ کی خدمت میں حاضر رہ کر فیوض باطنی سے سیراب ہوتے رہے۔ آخر کار مرتے دم تک حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میز رہے۔

کرامت:

حضرت جنید بغدادی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے پیشانی پر زخم کا نشان دیکھ کر پوچھا کہ کل تک آپ کے نواصی (پیشانی) پر یہ نشان نہیں تھا آج کیسے ہو گیا؟ فرمایا کہ رات کو حالت نماز میں مجھے مکہ معظمہ پہنچنے کا تصور ہو گیا اور وہاں پہنچ کر طواف کعبہ کے بعد جب زمزم کے کنویں پر پہنچا تو میرا پاؤں پھسل گیا اور یہ

چوٹ لگی یہ اسی کا نشان ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ قرآن اور مصلی مسجد میں چھوڑ کر دریا پر طہارت کی نیت سے تشریف لے گئے دریں اثنا ایک بڑھیا آئی اورآپ کے قرآن اور مصلی کو لے کر چلی گئ اور راستہ میں ملاقات ہوئی تو آپ نے گردن جھکاتے ہوئے بڑھیا سے کہا کہ کیا تمہارا کوئی بچہ قرآن پڑھتا ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ قرآن کو واپس کر دو مگر مصلی کو ہبہ یعنی تحفہ رکھ لو۔ بڑھیا آپ کے حلم و سخاوت سے اس قدر متاثر ہوئی کہ دونوں چیزیں آپ کو واپس کر دیں۔

وسعت نظری، فراخ دلی اور مستقبل بینی:

آپ کچھ لوگوں کے ہمراہ جارہے تھے کہ راستہ میں ایک مجمع رقص و سرود اور مئے نوشی میں مصروف مل گیا۔ جب آپ کے مریدیں نے ان نشئیوں اور ان کی گستاخیوں کو دیکھا تو ان کے حق میں بددعاء کی درخواست کی یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: "اے اللہ جس طرح آج تونے ان کو عیش و مسرت میں مشغول رکھا ہے آئندہ اس سے بھی بہتر عیش و مسرت اور خوشی عطا فرما"۔ یہ دعا سن کر آپ کے ساتھی سخت ناراض ہوئے ادھر اس دعاء کا اثر یہ ہوا کہ وہ مجمع شراب و رباب سے کنارہ کش ہو کر آپ کے پاس آیا اور صدق دل سے توبہ کی اور بیعت کر کے آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا۔ پھر آپ نے مریدوں سے فرمایا کہ جو شیرینی سے مر سکتا ہو اس کو سمو(زہر) دینے کی کیا ضرورت؟۔

اظہار شفقت و الفت:

حضرت سری سقطیؒ سے روایت ہے کہ عید کے دن بھی میں نے آپ کو کھجورین چنتے دیکھ کر وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ سامنے والا یتیم بچہ اس لیے اداس ہے کہ تمام بچے نئے لباس میں ملبوس ہیں اور میرے پاس کپڑے تک نہیں!۔ اس لیے میں کھجورین چن کر اسے فروخت کر کے اس کے لیے نئے کپڑے کا انتظام کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن حضرت سری سقطیؒ نے عرض کیا کہ یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں؟ چناچہ سری سقطی اس بچے کو ہمراہ لے کر گئے اور اس کو لباس جدید لے کر دیا اور اس کو خوش کر دیا۔ اس وجہ سے اللہ نے سری سقطی کو جو نور عطا کیا اس سے آپ کی حالت بدل گئ۔

حیوانوں سے شفقت:

آپ کے ماموں مدینہ کے کوتوال(inspector) تھے۔انھوں نے جنگل میں آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ ایک کتا آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور آپ ایک لقمہ خود کھاتے ہیں اور ایک کتے کو کھلاتے ہیں یہ کیفیت دیکھ کر ماموں نے کہا کہ تم کو حیا نہیں آتی کہ کتے کو ساتھ بٹھا کر کھلا رہے ہو۔ آپ نے کہا کہ حیا کی وجہ سے ہی اس کو کھلا رہا ہوں اور یہ کہ جب آپ نے آسماں کی طرف دیکھا تو ایک پرندہ اپنی آنکھ اور چہرے کو پروں سے ڈھانپے ہوئے آپ کے دست مبارک پر آبیٹھا تو آپ نے ماموں سے فرمایا کہ اللہ سے حیا کرنے والے سے ہر شے حیا کرتی ہے۔

تذکرۃ الاولیاء کے مصنف حضرت فرید الدین عطارؒ آپ کے حوالے سے ایک حیرت انگیز واقعہ بیاں کرتے ہیں۔ایک مرتبہ آپ بازار سے گزر رہے تھے ایک بہشتی یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ جو میرا پانی پی لے اس کی مغفرت فرما۔ چنانچہ نفلی روزہ کے باوجود آپ نے وہ پانی پی لیا۔جب لوگوں نے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو بہشتی کی دعا پر پانی پی لیا۔

آپ ایک دفعہ بڑی خوش دلی سے کچھ تناول فرمارہے تھے تو لوگوں نے پوچھا کہ ایسی کیا شئے ہے جو آپ اس قدر مسرت کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ فرمایا کہ میری مسرت کی وجہ یہ ہے کہ میں خدا کا مہمان ہوں۔ اور وہ جو عطا کرتا ہے کھا لیتا ہوں اور اکثر آپ اپنے نفس سے فرمایا کرتے تھے کہ تو مجھ کو چھوڑ دے تاکہ تجھے بھی چھٹکارہ مل جائے۔

آپؒ کے وسیلہ سے دعا کی قبولیت

حضرت سری سقطی سے روایت ہے کہ آپ نے مجھے یہ ہدایت فرمائی کہ جب تمہیں کچھ طلب کرنا ہو تو اس طرح طلب کرو کہ اے اللہ بحق معروف کرخی مجھ کو فلاں شئے عطا کر دے تو وہ شئے یقینا تجھ کو مل جائے گی پھر سری سقطی فرماتے ہیں کہ دم مرگ آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو بالکل ہی برہنہ دفن کرنا کیونکہ میں دنیا میں بالکل ہی برہنہ آیا تھا۔اس کے بعد آپ وفات پا گئے۔بغداد شریف میں آپ کا مزار آج تک خلائق کا مرجع بنا ہوا ہے اور لوگوں کی مرادیں آپ کے وسیلے سے پوری ہوتی ہیں۔

واقعہ جنازہ:

آپ کی وفات کے بعد ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے مسلک کے مطابق آپ کی میت اٹھانے پر آمادہ پیکار تھے۔ یہ دیکھ کر آپ کے ایک خادم نے بتایا کہ آپ کی یہ وصیت تھی کہ جس مذہب کے لوگ زمین سے میرا جنازہ اٹھالیں اسی مذہب کے احکام کے مطابق مجھے دفن کیا جائے، چنانچہ مسلمان ہی آپ کے جنازہ کو اٹھا سکے اور آپ کی تجہیز و تکفین ہوئی اور اسی طریق پر تدفین بھی ہوئی۔

ارشادات معروف

ایک دفعہ عالم وجد میں ستون کے ساتھ اتنی زور سے چمٹ گئے کہ وہ ستون ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے قریب ہو گیا پھر فرمایا کہ تین چیزیں شجاعت کا مظہر ہیں۔

۱۔وعدہ وفا کرنا ۲۔بلا طلب عطاء کر دینا اور ۳۔ایسی ستائش جس میں جود و سخا کا تصور تک نہ ہو

فرمایا: کہ نفس کا اتباع خدا کی گرفت ہے اور جو خدا کو یاد کرتا ہے وہ اس کا محبوب ہے۔اور وہ جس کو محبوب بنائے اس پر خیر کے دروازے کھول کر شر کے دروازے بند کر دیتا ہے۔

فرمایا: لغو و فضول باتیں گمراہی کی علامت ہے اور غافل نہ ہونا حقیقت وفا کی نشانی ہے۔

فرمایا: کہ اعمال صالحہ کے بغیر جنت کی طلب اور اتباع سنت کے بغیر شفاعت کی امید اور نافرمانی کے بعد رحمت کی تمنا حماقت ہے۔ حقائق کو معتبر تصور کرتے ہوئے دقیق مسائل بیاں کرنا اور مخلوق سے امید وابستہ نہ رکھنا خالص تصوف ہے۔لہذا مخلوق سے آس توڑ کر اللہ سے طلب کرنا چاہیے۔

فرمایا: کہ شر کو نظر انداز کر کے کسی کی برائی یا بھلائی نہ کرو۔

فرمایا: کہ جب دنیا سے کنارہ کش رہنے والا حب الٰہی کے ذائقے سے لذت حاصل کرتا ہے لیکن یہ محبت بھی اس کے کرم کی نصیب ہوتی ہے۔

فرمایا: عارفین خود سراپا دولت ہیں انھیں کسی دولت کی حاجت نہیں ہوتی۔

فرمایا: خدا پر توکل کرنے والا ضرر اور نقصان سے محفوظ رہتا ہے اور ارشاد کیا کہ اس چیز سے ڈرتے رہو کہ خدا کی نظریں تم پر ہیں۔

دین ومعاشرہ

علم و عمل لازم و ملزوم

قیصر محمود آخوندی گربونگ خپلو

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ افلاک بھی املاک بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لیے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ شمشیر ہی کیا نعرہ تکبیر بھی فتنہ

علم و عمل لازم و ملزوم ہیں۔ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔علم کی کوکھ اس وقت تک بانجھ ہی رہتی ہے جب تک اس میں عمل کا بیج نہ بویا جاتا۔گویا کوئی بھی رحم جو بانجھ ہو وہ بے فیض و بے کار ہے۔علم و عمل ایک ہی وجود کے دو ہاتھ،ایک ہی گاڑی کے دو پہیے اور ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔علم اگر وجود ہے تو عمل اس کی روح اور علم اگر آغاز ہے تو عمل اس کا انجام ہے۔

یاد رہے علم و عمل کے رشتے کو کبھی ہم الگ نہیں کر سکتے۔اگر کوئی علم و عمل کو الگ سمجھتا ہو تو یہ اس کی جہالت،بیو قوفی اور حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

علم کیا ہے؟

علم ہے میراث آدم علم ہے راز حیات علم کی ضو سے ہے روشن یہ ہماری کائنات

قرآن مجید جو کہ کل عالم کے اللہ پاک نے آخری ہدایت کل بنا کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا،میں علم کی قدر و قیمت اور ضرورت واہمیت کا بیان ہے۔اور حدیث میں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے علم سے متعلق بہت زور دیا ہے۔دین اسلام میں جس بلیغ و دلآویز انداز میں علم کی فضیلت و عظمت،ترغیب و تاکید پائی جاتی ہے،اس کی نظیر کسی بھی دین یا دھرم میں نہیں ملتی۔تعلیم و تربیت،درس و تدریس تو گویا اس دین برحق کا

جزو لاینفک ہے۔ کلام پاک کے تقریباً اٹھہتر ہزار الفاظ میں سب سے پہلا لفظ جو پروردگار عالم نے رحمت للعالمین ﷺ کے قلبِ مبارک پر نازل فرمایا، وہ اِقراء ہے یعنی پڑھ۔ اسی طرح قرآن میں اللہ پاک مزید فرماتے ہیں۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

فرمایئے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟

اس آیت سے علم اور علمائے کرام کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم والوں کو بے علموں سے ممتاز فرمایا ہے۔

اللہ کے پیارے رسول آقائے دوجہاں ﷺ نے علم سے متعلق سخت تاکید فرمایا ارشاد رسول پاک ﷺ ہے طلب العلم فریضة علی کل مسلم "یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ایک اور حدیث میں حصول علم کے لیے چین جانا پڑنے پر چین جا کر پڑھنے کا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے دور میں علم کے فروغ کا خصوصی بندوبست فرمایا۔ جن میں ہجرت سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر کو یثرب روانہ فرمانا، جنگ بدر کی قیدیوں سے بطور تاواں جنگ دس دس بچوں کو پڑھانا، مدینہ منورہ کے گلی محلوں میں تعلیم و تدریس کا بندوبست کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

یاد رہے آج دنیا نے اتنی ترقی کی ہے اور ٹیکنالوجی کے ذریعے بام عروج تک رسائی حاصل کی ہے اور کاینات کو مسخر کیا ہے تو یہ علم ہی کے بل بوتے پر حاصل کیا ہے۔ علم سے متعلق کسی دانا کا قول ہے۔

جس آدمی میں علم نہیں وہ آدمی نہیں جانور ہے۔ جس گھر میں کوئی علم والا نہیں وہ گھر نہیں جانوروں کا باڑہ ہے اور جس ملک میں علم کا رواج نہیں وہ ملک نہیں حیوانات کا جنگل ہے۔

عمل کیا ہے؟

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی　　یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عمل کے بغیر سب دعوے، رنگینیاں اور شوشے بے سود و بے کار ہیں۔ عمل ہی سے انسان پہچانے جاتے ہیں۔ عمل کے بغیر علم والے کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس کے اوپر بہت ساری کتابیں لدھی ہوئی ہو اور وہ خود ان علوم سے نابلد ہو۔

آپ تاریخ کی کتابوں پر ذرا نظر دوڑائیں اگر اسلام میں انقلاب ممکن ہوا اور ہمارے اسلاف چار دنگ عالم میں حق کا پرچم گاڑنے میں کامیاب ہوئے تو وہ عمل ہی کی بدولت ممکن ہوا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو پڑھے لکھے کہلائے جاتے ہیں مگر جن کا دامن عمل کے نطفے سے خالی ہے۔ اسلام عمل کا درس دیتا ہے۔ قرآن میں خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ۔ اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔

اس دور پر فتن میں علم کی طرف رجحان اور تعلیم کی طرف توجہ تو ماشااللہ دن بدن بڑھ رہا ہے مگر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہر جگہ علم تو ہے مگر تربیت کا شدید فقدان ہے۔ جس کی وجہ سے افسوس لوگ عمل سے دور بھاگتے دکھائی دیتے ہیں۔ پڑھ لکھ کر اسلامی اقدار کی حفاظت کرنے اور سیرت رسول ﷺ پر چلنے کی بجائے مغربی تہذیب و تمدن کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں، مائیں، بہنیں پردے کی اہمیت و افادیت بھول چکی ہیں۔ کنیز زہرا کے دعویداران فیشن کے نام پر مغربی نیم عریاں لباس زیب تن کرتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہیں جو کہ بہت بڑا المیہ اور ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ آج ہمیں اپنے کردار پر ماتم کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

بدن سے روح جاتی ہے تو بچھتی ہے صف ماتم
اگر کردار مر جائے تو ماتم کیوں نہیں کرتے

ہم سب بھول چکے ہیں کہ ہم نے مرنا بھی ہے اور ایک ایک چیز کا حساب بھی دینا ہے۔ ہم موت سے غافل ہو چکے ہیں۔ حالانکہ شاعر کا فرمانا ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

اسلام آپس میں پیار و محبت کا، باہمی گفت و شنید کا اور بہترین معاشرت کا درس دیتا ہے، مگر صد افسوس اس وقت جہاں اور جس جگہہ دیکھے مرد ہو یا خواتین موبائل کی پوجا پاٹ میں مصروف عمل دکھائی دیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملنے بھی جائے یا کسی بیمار کی عیادت کے لیے جائے تو اس وقت بھی اکثر اوقات موبائل پر گزار دیتے ہیں اس سے بڑھ کر افسوس کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ نماز، روزہ، قرآن کی تلاوت اور نوافل سے لوگ جی چراتے اور ٹائم پاس کرتے نظر آتے ہیں۔ دینی اور اصلاحی بات کرنے والوں کو ٹیڑی نظر سے دیکھے جاتے

ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس وقت عمل کے فقدان اور اسلامی اقدار سے ہٹ جانے کی وجہ سے مسلماں دن بدن کمزور سے کمزور تر ہوتے جارہے ہیں۔

اقبال کے شاہینوں میں وہ جذب، کیف و مستی نہ رہی۔مغربی طرز بود و باش کے نشے نے شاہینوں کے پر کاٹ دیے ہیں۔واللہ میں قطعا ٹیکنالوجی کے خلاف نہیں مگر حقیقت یہی ہے،موبائل اور نیٹ کی وباء نے مسلمان بچے بچیوں کی عفت و حیااور غیرت و حمیت کا جنازہ نکال کرر کھ دیاہے۔جنون ٹیپو سلطان،خون محمد بن قاسم،جذبہ ایوبی مسلمانوں کے ذہنوں سے نکل گئے ہیں۔کٹی پھٹی جینز اور بڑا موبائل ہاتھ میں لیے وقت کو برباد کرنا اب جوانوں کا شیوہ بن چکا ہے۔مشورہ اور وعظ نصیحت سننے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ہر کوئی اپنے من میں علم کل کے مالک بنے خوش فہمی میں مست پھر رہے ہیں۔خدا رحم کرے ہم پر۔

میرے عزیزو،دوستو،بھائیو اور بہنو ہمیں جلد از جلد اپنا قبلہ درست کرنا ہو گا اور اپنا طرز زیست دین اسلام کے عین مطابق کرنا ہو گا،اپنے گریبانوں میں جھانکنا ہو گا اور اپنی حقیقت کو پہچاننا ہو گا ورنہ

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گا داستانوں میں

اللہ پاک ہمیں علم کے ساتھ عمل کی بھی توفیق عطا فرما۔آمین



نشرِ مکرّر

اسلام میں مرد وزن کی ذمہ داریاں

آمنہ بتول سر میکی

(نشرِ مکرر کے عنوان سے اس شمارے میں نوائے صوفیہ شمارہ ۱۱۴ دسمبر ۲۰۱۲ء میں شائع شدہ آمنہ بتول سر میکی کا مضمون ''اسلام میں مرد وزن کی ذمہ داریاں'' شاملِ اشاعت ہے)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا o

اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو۔ مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انھوں نے کیے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انھوں نے کیے اور خدا سے اس کا فضل (وکرم) مانگتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

اسلام میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس آیت کی گہرائی میں جانا ہوگا۔ اس آیت کا شانِ نزول بھی بہت دلچسپ ہے۔

حضور ﷺ کی زوجہ محترم حضرت ام سلمیٰؓ نے ایک بار اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ جس طرح عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں میراث آدھی ملتی ہے، کیا اسی طرح نیک اعمال کی جزاء بھی عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں آدھی ملے گی؟ ان کی نیت ہرگز حضور ﷺ سے شکایت کرنے کی نہیں تھی۔ بلکہ وہ یہ سوال پوچھ کر اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہتی تھیں۔ اسی طرح کچھ اور عورتوں نے یہ ظاہر کی کہ کاش وہ بھی مرد ہوتیں تو جنگ میں حصہ لے کر اللہ کی مہربانی اور خوشنودی سے اور زیادہ فیض یاب ہوتیں۔ ان تمام سوالوں کے جواب اس آیت کریمہ میں دیے گیے ہیں۔ اللہ نے اُم سلمیٰ اور تمام دوسری عورتوں اور مردوں سے یہ صاف صاف فرمادیا

ہے کہ وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کے ساتھ بعض لوگوں پر بعض لحاظ سے فوقیت عطا فرمائی ہے۔ آئیے ہم اس بات کو ذرا تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو پستہ قد بنایا ہے تو کسی کو دراز قد، کسی کو معمولی شکل وصورت کا بنایا ہے تو کسی کو بہت خوبصورت پیدا فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اور زیادہ حسین اور خوبصورت بنا دیتا، تو وہ اپنی خوبصورتی اور دلکشی کی وجہ سے غلط راستے پر پڑ جاتا اور گناہوں کا مرتکب ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اسے بہت ہی زیادہ حسین نہ بنا کر گناہوں سے بچا لیا۔ اسی طرح کچھ لوگ حیثیت کے حساب سے غریب ہیں اور کسی کا رتبہ دنیاوی اعتبار سے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم تھا کہ اگر وہ ان کو امیر کبیر یا زیادہ باحیثیت بنا دیتا تو یہ لوگ اپنی امارت اور مرتبہ کے ساتھ انصاف نہ کر سکتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مسجد کے لیے پورے شہر میں ایک خاص خطہ زمین کا انتخاب فرماتا ہے اور یہ مخصوص خطہ زمین شہر بھر کی تمام عمارتوں سے افضل واعلیٰ بن جایا کرتی ہے۔ اسی لیے ہم تعظیماً مسجد میں داخل ہوتے ہی تحیۃ المسجود کی دو رکعت نماز نفل ادا کرتے ہیں۔ جو اس بات کا خاموش اعلان ہے کہ یہ مخصوص عمارت شہر بھر کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہے۔

ہم اکثر خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس گھر کے لیے ریگستان کے ویرانے میں ہی ایک مخصوص جگہ کیوں پسند فرمائی؟ جو دنیا کے تمام عبادت گاہوں اور مساجد میں سب سے زیادہ معزز ومکرم ہے۔ اس راز کو اللہ ہی جانتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور حکمت سے ایک چیز کو دوسری چیز پر سبقت یا فوقیت عطا فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کو بھی بعض لحاظ سے ایک دوسرے پر برتری اور بڑائی عطا فرائی ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ (البقرہ ۲۵۳) یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اس تفصیل کے ساتھ ہم پر یہ بات بالکل واضح ہونا چاہیے کہ اللہ نے ہمیں جو کچھ اور جتنا کچھ بھی عطا فرمایا ہے ہمیں اس پا قانع رہنا چاہیے۔ مثلاً ایک عورت کو مرد کے کرنے کا کام دیا جائے تو اس عورت سے بخوبی ادا نہیں کر سکتی۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ام سلمیٰ اور دوسری عورتوں پر یہ بات واضح کر دی کہ مردوں کے

مقابلے میں عورتوں کو آدھا انعام یا آدھی جزا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ مردوں اور عورتوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا یکساں عطا کی جائے گی۔

وَمَنْ عَمِلَ صٰلِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو صاحبِ ایمان بھی ہو گا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

ایک بار حضرت ام عمارہ انصاریہ اور حضرت اسماء بنت عمیس نے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ زیادہ تر مردوں سے ہی بلاواسطہ خطاب فرماتا ہے۔ ہم اس بات سے فکر مند ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم عورتوں کے لیے بھی کوئی وعدہ فرمایا ہے یا نہیں؟

جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحزاب آیت ۳۵ میں ارشاد فرمایا:

(جو لوگ خدا کے آگے میرا اطاعت خم کرنے والے ہیں یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راستباز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والے عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والے عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والے عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والے عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والے عورتیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کے لیے خدا نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

لہٰذا اسلام میں مردوں اور عورتوں کے حقوق اور جزا برابر ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کچھ لوگ بہت زیادہ امیر کبیر ہیں، کسی کے پاس علم بہت زیادہ ہیں، اور کوئی ہے جو روحانیت میں بہت بڑا ہے۔ اسلام ہمیں مندرجہ بالا تینوں چیزوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانی کی اجازت دیتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کامرانی و کامیابی حاصل کرنے کے لیے اللہ سے دعا کریں۔ اگر اس میں ہمارے لیے بھلائی کا کوئی پہلو ہو گا تو اللہ تعالیٰ ہماری دعا قبول فرما کر ہماری مرادیں ضرور پوری کرے گا۔ کیونکہ وہی سب کچھ جانتا ہے اور خوب حکمت کرنے والا

ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریوں کیا ہیں؟

الرِّجَالُ قَوَّمُونَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوٰلِهِمْ۔

ترجمہ: مرد عورتوں کے انچارج ہیں اس لیے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مرد عورتوں پر ظلم و جبر کرنے لگے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ: اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ (سورہ النساء ۱۹)

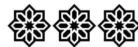
کیونکہ مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر ہیں۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔ (سورہ بقرہ ۲۲۸)

بلکہ مردوں اور عورتوں کو گھریلو امور میں مشورہ کرنا چاہیے

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ۔: دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضامندی اور مشورہ سے طے کر لیں۔ (سورہ بقرہ ۲۳۳)

پس اسلامی معاشرے میں میاں بیوی کو ہر مسئلہ میں ایک دوسرے سے حسن اخلاق سے مشورہ کرنا چاہیے۔ بالآخر حتمی فیصلہ مرد کو ہی کرنا ہو گا۔ کیونکہ وہ انچارج ہے۔ لیکن اگر کوئی فیصلہ غلط ہو گیا تو اس کی پوری ذمہ داری دینا اور آخرت میں صرف مرد پر عائد ہو گی۔ پس عورتوں کو کسی بھی حالت میں مرد بننے کی خواہش نہیں کرنا چاہیے۔ اور نہ مردوں کو عورتوں، اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے مطابق مردوں کے فرائض مرد، اور عورتوں کے فرائض عورتیں ہی زیادہ بہتر طریقہ سے ادا کر سکتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو اسلامی معاشرے میں عورتوں کے تمام حقوق کا پورا پورا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔



یادرفتگان

موت اہل ایمان کے لیے نعمت

مولانا شکور علی انوار گلگت

ارشاد خداوندی ہے کہ تم جہاں کہیں ہوں گے موت تو آکے رہے گی اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ تم جتنے بھی مضبوط حصاروں میں یا زبردست محفوظ برجوں میں کیوں نہ ہو موت تو آ کر دبوچ لے گی۔

گر کاخ تو بر سپہر اعظم سازند | در کار تو چوں سلسلہ درہم سازند
ہم عاقبت این حجرۂ انسانی تا | ترکان اجل سرائے ماتم سازند

یعنی اگر چہ تمہاری کوٹھی بلند آسمان میں بنی ہوئی ہو تو اپنے کام میں مسلسل مصروف کیوں نہ ہو انجام کار تمہارے انسانی پیکر پر موت کی نوبت آ پہنچتی ہے تو ہنستا بستا گھر ماتم سرا بن جاتا ہے۔ حکیم ثنائی فرماتے ہیں کہ:

چہ کنی خانہ دل آباداں | دل من این ماتکو نواخوان

یعنی تم اگر کر سکو گے دل آباد رکھنے کی مزے لو حقیقت تو یہ کہتی ہے کہ تم جہاں کہیں ہو موت آکے ہی رہے گی۔ جب موت کا پیغام پہنچتا ہے تو شاہ و گدا سب کو دبوچ لیتا ہے۔

چون در آید اجل چہ بندہ چہ شاہ | وقت چون دررسند چہ بام چہ چاہ

یعنی اجل کا فرشتہ جب آتا ہے نہ بادشاہ دیکھتا ہے نہ غلام۔ موت جب آتی ہے چاہے محل میں یا کنویں میں موت آکے ہی رہے گی۔

اہل عرفان کہتے ہیں کہ موت تو اہل ایمان کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے۔ دنیا کا طریقہ یہ ہے کہ ہر نفس نے موت کا جام نوش کرنا ہے۔

ارشادربانی ہے:

كُلُّ مَن عَلَيهَا فَانٍ وَّيَبقٰى وَجهُ رَبِّكَ ذُو الجَلٰلِ وَ الاِ كرَامِ (سورۃالرحمٰن: آیت۲۶۔۲۷)

یعنی ہر چیز دنیا کی فنا ہو جائے گی جو باقی رہے گی وہ صرف تیرے رب کی ذات عظمت اور عزت والی ہے۔

اہل ایمان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ جب موت و حیات کا معاملہ پیش آتا ہے رضائے خداوندی سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی کے سامنے صبر و استقامت کے ساتھ اٰمَنَّا وَ صَدَ قْنَا کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ رب جو چاہتا ہے بندوں کی خیر خواہی کے لیے ہے۔ اس لیے ہمیں صبر و شکر کا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ آفات ارضی و سماوی آتی ہیں۔ موت و حیات کی نوبت پہنچتی ہے۔ دکھ و تکلیف اور غم و خوشی کی نوبتیں آتی ہیں، وہ انسان کو آزمانے اور اچھا اجر دینے کا بہانہ ہوتا ہے۔

اگرچہ چند سالوں سے دنیائے اسلام پر آزمائشوں کی گھڑیاں منڈلا رہی ہیں عالم تصوف کا کڑا امتحان ہو رہا ہے۔ چند ایسی ناقابل فراموش شخصیتوں کی موت ہوئی ہیں جو ناقابل تلافی نقصان ثابت ہوئی ہے۔ جن میں قابل ذکر نامور مشاہیر جناب علامہ ابوالعرفان محمد بشیر صاحب، بوافقیر محمد ابراہیم صاحب، مفتی محمد عبداللہ صاحب، مولانا قاری محمد یوسف صاحب، مولوی غلام محمد تھلوی اور فخر السادات موسوی سید جمال الدین براہ والے شامل ہیں۔ جن کی علمی و ملی خدمات کی ستائش ہمیشہ ہوتی رہے گی۔ ان کی یادیں ہر فرد بشر کے دلوں میں راج کرتی رہیں گی۔ ہم ان کی گراں قدر دینی و سماجی خدمات کو سراہتے رہیں گے اور مرحومین کے حق میں دعاؤں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ دوسری نامور اور معروف شخصیات میں سے جناب صوفی غلام محمد صاحب، جناب غلام حسن شگری صاحب، جناب مولانا بوا اقبال مدرس مدرسہ شاہ ہمدان صاحب، جناب حاجی غلام نبی شاہین صاحب اور جناب مولانا محمد ابراہیم فیضی صاحب مرحومین جنھوں نے تازہ تازہ کوس اجل کو لبیک کہا اور اس دنیائے فانی سے چل بسے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین مذکورین کو اپنی جوارِ رحمت میں مقام عطا کرے اور ان کے تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں کی بخشش فرمائے اور ان تمام بزرگوں کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ہم جملہ اہل ایمان مرحومین کے پسماندگان کو صبر و شکر کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

- صوفی غلام محمد (مرحوم)
- حاجی غلام نبی شاہین مرحوم
- محسن ملت حاجی غلام حسن شگری
- مولانا جاوید اقبال
- علامہ محمد ابراہیم فیضی

صوفی غلام محمد (مرحوم)

محسن ملت صوفی غلام محمد مرحوم نہایت باکمال سماجی شخصیت تھے۔ آپ ضلع کھرمنگ موضع سرمک کا باشندہ تھا۔نہایت مشہور و معروف دانشور تھے۔اپنی عمر کے چوراسی /پچاسی سال میں اے کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد بروز اتوار مورخہ ۷ دسمبر ۲۰۲۰ء بمطابق ۲۲ ربع الثانی ۱۴۴۲ھ کوراولپنڈی میں انتقال کر گئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔مرحوم و مغفور کی روح کو راحت رضوان سے سرفراز فرمائے، تمام گناہ کبیرہ و صغیرہ کی بخشش کرتے ہوئے جنّت اعلیٰ الیّین میں مقام اور اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے جملہ سوگواروں کی خدمت میں پُرسہ دیتے ہوئے صبر و استقامت کی دعا کرتے ہیں۔مرحوم نہایت ہی باصلاحیت شخصیت کے مالک تھے۔دین و دنیا کی امتزاج کے ساتھ اطاعت و بندگی کا پیکر تھے۔حسن و صورت کے تمام شمائل کے ساتھ حسن سیرت کے جملہ اوصاف کے جامع تھے۔معاشرے کے با اثر و صاحب وجاہت حلم و سلیم فطرت رکھتے تھے۔عوام و خواص میں برابر مقبول و معروف تھے پاکیزہ اور نیک خصلتوں سے موصوف،صوفی لقب اور صافی ذہانت کے حامل تھے۔جناب موصوف کی موت پر آپ کے جملہ احباب اور خاندان کے علاوہ اپنے پرائے سبھی افسوس کررہے ہیں آپ کے انتقال پر ملال سے جو صدمہ سب کو پہنچا اور ایک محسن سے محروم ہو گئے۔

تعارف محترم مرحوم و مغفور صوفی غلام محمد صاحب کوئی محتاج تعارف شخصیت نہیں تاہم سکردو کے معروف و مشہور میڈیکل آفیسر جناب ڈاکٹر نیاز علی کے والد ذی وقار تھے ڈاکٹر موصوف نہایت قابل

اور ماہر معالجوں میں شمار ہوتے ہیں عوام و خواص میں اپنے والد گرامی کی طرح مقبول و معروف ہیں وہ انسان دوست اور پیشے کی عظمت پر یقین رکھتے ہیں جن کو یہ مقام اور عزت والد سے ورثے میں ملی ہے۔

صوفی صاحب اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے۔ خاندانی طور پر باثروت لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا والد کاروبار کرتے تھے اور ساتھ ساتھ ساتھ علاقائی رواج کے مطابق زراعت پیشہ بھی تھے۔

ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں سرمک سے حاصل کی مڈل پاس کیا اور میٹرک کی تعلیم کے لیے سکر دو روانہ ہوئے اور میٹرک اچھے نمبروں سے پاس کیا آپ تمام کلاسوں میں اچھے نمبروں سے پوزیشن لیتے تھے میٹرک پاس کرنے کے بعد موجودہ دور کی طرح حالات نہیں تھے سرکاری نوکری کے لیے دربدر ہونا نہیں پڑتا تھا میٹرک کرنے کے بعد ہی نوکری کا پروانہ مل جاتا تھا۔

صوفی صاحب سرکاری ملازمت کے دوران غریبوں اور طالب علموں کے حامی رہے انصاف اور ہمدردی کے جذبات سے معمور دل رکھتے تھے علم سیکھنا سکھانا ان کا مشغلہ تھا نوجوانوں میں علمی اور مذہبی شعور بیدرار کرنے میں وہ پیش پیش رہے۔ عہد ووفا کا علمبردار تھے۔ سیرت و کردار کا حامل متانت و وقار کا مجسمہ تھے۔ ملت کا روح رواں، امت کا قائد دوراں تھے۔ جرأت و بے باکی میں بے مثال صدق مقال اور حسن عمل پر مکمل یقین رکھنے والے تھے۔ صوفی صاحب خود سے زیادہ اوروں کے لے نہایت انہماک اور ہمدردی سے کام کرتے تھے کسی خوب گو شاعر کا کلام ہے۔

اپنے لیے تو جیتے ہیں سب اس جہاں میں کہ ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

اقبالؒ فرماتے ہیں:

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے آتے ہیں جو کام دوسروں کے

تو صوفی صاحب نہایت شریف النفس نیک خو اور ہمدرد انسان تھے۔

صوفی صاحب کی عہد ساز شخصیت:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے صوفی صاحب کو مواہب و عنایات کا وہ وافر حصہ ملا تھا جس نے انہیں فکر و شعور کی قیادت سونپا اور دین و ایمان کا سالار کارواں بنادیا۔ آپ کو قوی ادراک اور حسن کردار کا مالک بنادیا۔ آپ ہر اعتبار

سے قوی اور مضبوط ارادوں سے موصوف تھے۔برجستہ کلامی حسن تدبر کا خزانہ تھے۔ضرورت پڑی تو علم و احادیث اور حوالوں کا انبار لگا دیتے تھے۔معاملہ فہمی اور دوررس فکر اور نظر کے حامل تھے۔ذوق لطافت اور شوق ذکاوت سے معمور تھے۔ان کی منطق قانونی،ان کی گفتگو شیرین اور بعض صداقتوں کے اظہار میں امواج طوفان کے ساحل مراد سے ٹکراتے ہوئے معلوم ہوتا تھا۔استقامت و اعتبار کا مقام حاصل تھا۔تحقق و جستجو کے پیکر معلوم ہوتے تھے۔آپ کی عہد ساز شخصیت نہ خود پسندی کی طرف مائل تھی نہ خود غرضی سے ملا ہوا تھا،نہ غرور تھا نہ برتری کا جذبہ ، نہایت خلقت اور منجی ہوئی طبیعت تھی، ہر ساتھی و سامع اعتبار و عزت کی نگاہ سے دیکھتے، جلال کی صورت میں کمالات کے اظہار ہوتے۔غصے کی صورت میں لطافت کا امتزاج کرتے اور لوگوں کا دل جیت لیتے۔

مجھے صوفی صاحب کا ایک خوبصورت لطیفہ یاد آرہا ہے کہ جب ہم معاہدہ بلغار کی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ایک مشاورتی مجلس میں چند احباب اپنے اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔حوالدار شکور بلغاری نے دوران گفتگو صوفی صاحب کو خاموش سننے کی درخواست کی اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ صوفی صاحب معاف کرنا میں تھوڑا جذباتی سا ہوں تو بعض دفعہ گفتگو میں بریک فیل ہو جاتا ہوں۔اس کو جواب دیتے ہوئے صوفی صاحب نے فرمایا کوئی بات نہیں آپ کا بریک فیل ہوتا ہے۔میں تو گفتگو کے دوران سٹیرنگ فیل ہوا کرتا ہوں۔جس پر محفل میں بہت ہی پر لطف ماحول پیدا ہوا اور سب ہنس پڑے۔

یوں تو مرحوم نہایت سنجیدہ اور فکری قوتوں سے معمور ذہن رکھتے تھے۔حسن مثال کے ساتھ ساتھ حسن جلال بھی رکھتے تھے۔نیک نیت اور خلوص سے معمور سیرت رکھتے تھے باتوں میں سچائی اور صفائی کے علاوہ مدلل اور شواہد پر مبنی گفتگو کے عادی تھے۔آپ ہر قسم کی مجلس کے صدر نشین تھے۔ہر طبقہ کے لوگ آپ سے مستفید اور مستفیض ہوتے تھے چاہے معاشی ہو،چاہے سماجی و مذہبی ہو، علم و دینوی ہو، ہر مجلس کی پیشانی کا جھومر تھے۔ہر طبقہ کے لوگوں سے دوستی اور یاری کی بات کرتے علماء سے علمی گفتگو کرتے صلحاء کے ساتھ دینی و مذہبی، سیاستدانوں کے ساتھ سیاسی باتیں کرتے۔فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اپنے وقت اور تقاضوں کے مطابق ہر وقت لائحہ عمل طے کرنے کا گر جانتے تھے۔خاص طور پر ملک وملت کی بات ہوتی تھی جہاں مال کی

ضرورت پیش آتی ہر وقت خدمت کو تیار ہوتے تھے۔

سماجی، مذہبی اور علمی، فکری مجلسوں میں شرکت کرتے تھے جہاں جائے میر محفل آپ کی قسمت کا حصہ تھاناقدانہ انداز میں سننے کے عادی تھے اور فاضلانہ انداز میں استقامت سے بھرپور ہو کر شریک ہوتے اور مدلل اندازِبیان اختیار کرتے سامعین پر دھاک بٹھاتے اللہ کریم نے صوفی صاحب کو غیر معمولی ذہانت وعظامت دے رکھی تھی اس نعمت کے درست استعمال میں کبھی کوتاہی نہیں کی بے لاگ بولنا بے باک رہنااور ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا آپ کی عادت تھی۔

کبھی دریاسے مثل موج ابھر کر

کبھی دریاکے سینے میں اتر کر

کبھی دریاکے ساحل سے گزر کر

مقام خودی کو فاش کرتے تھے۔وہ سننے میں بے باک دل وخالص پاک اور غور وفکر کابہتاہوادریاسیر اب کرتاصحرا تھے۔

صوفی صاحب اپنی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھے ذوق اور شوق فکر کی گہرائیوں کا گوہر تھے۔علم وآگاہی کے شہوار ہمت وجرات کا پیکر صدق مقال اور حسن عمل کا پیغامبر تھے۔

معاشرے میں جس انداز میں علمی، فکری، سماجی، مذہبی، سیاسی، دفاعی، صنعتی، تجارتی معاشی اور معاشرتی نشیب وفراز سے خوب آگاہ اور بہرہ ور تھے۔حسب ضرورت لوگوں کی راہنمائی اور رہبری میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے۔صوفی صاحب زیادہ پڑھے ہوئے نہ تھے۔میٹرک تک کی تعلیم تھی۔مدرسی نظام سے پالا نہیں پڑا تھا لیکن اپنی ذہانت خطابت کے بل بوتے ،مطالعہ اور کتاب بینی سے بڑی دلچسپی تھی جہاں سے علمی اور حوالے کے شذرات ملتے وہ انہیں خوب یاد رکھتے اور خوب حسب ضرورت ان کا حوالہ دیتے۔اگرچہ دینی تعلیم میں چنداں وقت لگانے کا موقع میسر نہیں آیا اور حصول تعلیم کے لیے کسی دینی درس گاہ کی طرف رجوع نہیں کیا۔البتہ مطالعہ، تحصیل علم کی عادت نے ان کو علم وفضل کی خوبو سے مالامال کر دیا کہ بعض ناقص علم اور کمزور عالم اور بے عمل علماء کے مد مقابل آپ کا عمل طاعت پختہ تھاعقیدت اور استقامت سے معمور جذبے آپ کی شہرت پر گہرا

اثر مرتب کر چکے تھے۔ بڑے بڑے نامور علماء آپ کے سامنے گفتگو احتیاط سے کرتے اور اگر کوئی دین و معرفت کی حدوں سے گزرتے ہوئے یا دلائل و شواہد کے بغیر کوئی بات کرتے تو آپ بے باکی سے بحث و تکرار کا شوق پورا کرتے تھے۔ جب تک بحث و تمحیص میں لوگوں کو مائل نہ کرتے سکون سے نہ بیٹھتے۔ آپ ہر وقت راہبری اور رہنمائی کے فرض سے عہدہ برآنہ ہوتے تھے آپ سکون نہ آتا تھا، ان علماء سے لاکھ درجہ صوفی کا انداز بہتر جو اپنے عقیدے و نظریے پر آنچ نہیں آنے دیا صوفی صاحب ایسے علماء کو کہتے کہ

کر دیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق — اتنا تاءسے بھی نہ ملا تجھ کو گل کا سراغ

انسان کا دل جب ایمان کا گھر بن جاتا ہے تو وہ دنیا کی رغبتوں سے بیزار ہو جاتا ہے۔ زندگی کی لذتیں اسے خراب نہیں کر سکتیں اور حیات اخروی اور ابدی زندگی اس کی ساری توجہات کا مرکز ہو جاتی ہے۔ دین کی ترقی، ایمان کی پختگی اس کا منتہائے نظر بن جاتی ہے۔ ان چیزوں سے نفرت ہو جاتی ہے جن سے انسان میں بد بختی، غرور، خشونت اور قساوت قلبی، بے دینی اور غرض مندی پیدا ہو۔ پختہ نظری اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کرنے کی کوشش میں وہ سعی جمیلہ انجام دیتا ہے اور دوسروں کے لے مثال بن جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

تری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج — عالم و فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین و ایمان بھی

بہر حال ہم نے صوفی غلام محمد کو قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے جذبات اور احساسات کو خوب جانچا ہے۔ ان کی دینی خدمات اور سماجی مقام کا اندازہ کیا ہے۔ صوفی صاحب جیسی شخصیت برسوں میں حاصل ہوتی ہے۔ ان کی موت کے بعد جو خلاء واقع ہوئی ہے ملت کے لیے پوری ہونا بہت مشکل ہے۔ صوفی صاحب کی قومی و ملی دینی اور اسلامی خدمات کی یادیں برسوں تازہ رہیں گی۔ ان جیسے بعض ممتاز شخصیات کی ناقابل فراموش خدمات ہیں۔ ملت کا بچہ بچہ ان کا احسانمند رہے گا اور ان کے حق میں دعائیں دیتے رہیں گے۔ ان جیسا قوم کے ہیر و برسوں بعد حاصل ہوتے ہیں۔

سالہا باید کی تا یک سنگ اصلی زآفتاب — لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

فرنہا باید کہ تا یک کودکی از لطف طبع — عالمی گویا شود یا فاضلی صاحب سخن

صوفی کی سماجی شخصیت

محترم مرحوم و مغفور صوفی صاحب کا تعلق ایک مذہبی اور سماجی خاندان سے تھا۔ اس لیے وہ سماجی خدمات انہیں دلچسپی و من کی محور بنتی رہیں۔ مذہب اور سماج کے ساتھ گہرا تعلق فطری امر تھا اور توفیقی عنصر سے ہی خوش نصیبی نکھر نکھر کر نمایاں ہوتی ہے۔ صوفی صاحب تصوف اور روحانیت کے دلدادہ تھے۔ آپ نے شروع سے ہی دین و دنیا کو سمجھا اور پھر ان کے جائز حصول کے لیے کوشاں رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو زندگی کا سرمایہ بنائے رکھا۔ سنّت کے مطابق داڑھی رکھی، علاقے کے لوگوں میں صوفی کے نام سے معروف ہوئے۔ بعض علم و دانش سے نابلد لوگوں نے یہاں تک کہا کہ صوفیہ مسلک صوفی غلام محمد کی اختراع ہے۔ وہ صوفی تھے صوفیہ کا پرچار کرتے تھے تو لوگوں کی لن ترانیاں سامنے آ گئیں۔ لیکن وہ عزم و ارادت میں قوی فکر و نظر میں درست عنصر پر قائم تھے۔ کبھی لوگوں کی لومتہ لائم سے پریشان نہیں ہوتے۔ صوفی صاحب وہ واحد آفسر، واحد مجاہد تھے جو اکیلا بدعتوں اور بدعنوانوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ ایک دور تھا بعض علاقوں میں نوربخشیوں کو گنوار و بے دین سمجھے جاتے تھے۔ آج وہاں نوربخشیوں کی صوفیانہ انداز اطاعت کو سراہا جارہا ہے۔ صوفیہ نوربخشیہ کی تعلیمات سے لوگ متاثر نظر آرہے ہیں۔ صوفی وہ مرد مدفان ہے جس نے ملازمین کی ایک ٹیم تشکیل دی، ملت کا شعور لوگوں میں اجاگر کیا، اتفاق و اتحاد کا پلیٹ فارم فراہم کیا۔ سکردو میں انجمن قائم کیا دینی تعمیرہ و ترقی کی طرف توجہ دی گئی۔ مدرسہ بنایا گیا، آج ان کی فکری اور شعوری تحریک کی وجہ سے مدرسہ شاہ ہمدان جیسا ادارہ قائم ہے۔

صوفی صاحب کی کاوشوں سے کئی مساجد و مدرسے قائم ہیں۔ جہاں نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا بندوبست ہورہا ہے۔ صوفیہ نوربخشیہ کی جہاں کہیں مساجد اور خانقاہوں اور مدرسوں کا قیام عمل میں لایا گیا وہاں آپ کی مالی و قولی اور فعلی تعاون شامل رہا ہے۔ دینی اداروں کا قیام ہو غریب پروری کا نظام ہو، اتفاق و اتحاد اور ملت کے استحکام کے لیے صوفی صاحب کی قیادت ہمیشہ شامل حال رہی ہے۔ اس لیے چونکہ آپ معاشرے کے ہر طبقہ کے لیے ہر دلعزیز فرد تھے۔ آپ کی مخلصانہ خدمات دین و ملت کے استحکام کے لیے نہایت موثر ثابت ہوئے ہیں۔ خویش و پرائے سبھی مانتے ہیں کہ صوفی صاحب کی قائدانہ صلاحیت سے غریبوں کو جینے کا مقام ملا۔ کراچی کے ساحل سے لے کر سیاچن کے دامن تک شگر کے علاقوں سے لے کر شیلا کی وادیوں تک کے لوگوں کے لیے آپ مہربان و

مدبر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ تعلیم و تربیت کے میدان میں بھی آپ بڑے سنجیدہ معلم و استاد تھے۔ آپ علوم عصری کے ماہر مانے جاتے تھے۔ دین و دنیا کے امتزاج میں تمام زبانوں یعنی عربی، فارسی اردو اور بلتی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ اشاعتی اداروں کے لیے دل کھول کر تعاون کرتے تھے۔

مرحوم علامہ محمد بشیر علیہ الرحمہ کو عقیدت و احترام سے اپنا محسن اور ملت کا پاسبان سمجھتے تھے۔ اشاعتی پروگراموں میں برابر تعاون جاری رکھا۔ دینی کتب کے اشاعت کی ضرورتوں کو محسوس کرتے ہوئے حسنو کی خدمات سے بہت متاثر تھے۔ صوفی صاحب جہاں علم دوست تھے وہاں علم و تحقیق سے وابستہ طبقے کی بڑی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور مالی امداد بھی فراہم کرتے تھے۔

ندوئہ اسلامیہ کی نشر و اشاعت اور عربی، فارسی کتابوں کے اردو میں تراجم کے پروگرام کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں معاون و مددگار رہے۔ دینی اشاعت کی ناگزیر ضرورتوں کو وہ خوب محسوس کرتے تھے۔

نوائے صوفیہ کے حامی و ناصر اور مداح تھے۔ کاروبار سے منہ موڑ کر دین و ملت کے ساتھ گہرا شغف تھا وہ مثالی تھا۔ ملت کو جب بھی آپ کی ضرورت پیش آتی خدمات کے لیے تیار رہتے تھے۔ رات دن مصروف ہوتے۔ دین کے نام پر ہر وقت قربان اور نثار ہونے کو کمربستہ رہتے تھے۔

دین کے بعض قانونی امور میں آپ کی خدمات اور کارگزاری ناقابل فراموش ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہیں۔ درحقیقت وہ ملت کا پاسباں تھے۔

امت کا خیر خواہ اور مسلک کے لیے رہنما سے کم نہ تھا صوفی صاحب جہاں علماء و فضلاء کے قدردان تھے وہاں تحقیق و اشاعت کرنے والے قلمکاروں کے کردار کو سراہتے ہیں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ صوفی صاحب دراصل حامل تصوف عامل جدوجہد اور سپاہی تھے یہی وجہ ہے آپ کے فرزندان اور قریبی اقرباء آپ کی اس وارفتگی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے لیکن صوفی صاحب اپنی خودی کی دنیامیں ہی بلند پرواز کرتے رہے ہیں ایسے لوگوں کے حق میں اقبال کہتے ہیں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ایای رزق روزی سے بلند پروازی میں فرق آجائے وہ کوئی محمود چیز نہیں ہے چنانچہ

شاعر کہتا ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

یقیناً صوفی مرحوم کی کاوش نہ ہو تو سکردو میں یا نور بخشیوں میں ترقی کے دروازے نہیں کھلتے مجھے آپ کی مساعی جملہ کے طفیل صوفیانہ طرز زندگی پر چار چاند لگانے میں مدد ملی ہے جو عہد ساز شخصیت ہونے کا ثبوت ہے آپ کی عہد ساز قیادت سے صوفیہ نور بخشیہ کو ترقی دوام حاصل ہوئی ہے۔

صوفی ایک فرض شناس آفیسر

صوفی مرحوم کسب حلال کے سلسلہ میں ملازم سرکار رہ چکے تھے۔ مختلف سرکاری اداروں میں سے زراعت، خوراک، محکمہ صحت وغیرہ میں قومی وملی خدمات احسن طور پر انجام دیتے رہے۔ محکمہ زراعت میں ڈپٹی ڈائریکٹر، محکمہ خوراک میں سی۔ ایس۔ او، محکمہ صحت میں مختلف جگہوں پر ڈی۔ڈی کے عہدے پر اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ محکمہ صحت میں پہلے اے۔او بعد میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر گلگت بلتستان کے اضلاع میں فرائض منصبی انجام دئے۔ اس کے علاوہ بعض علاقوں میں تحصیلدار کے پوسٹ پر بھی فائز رہے۔

آپ نہایت ہی دیانت دار فرض شناس آفسر تھے۔ عوام الناس کی خدمت کے لیے اور علاقے کی ترقی و تعمیر میں مخلصانہ خدامات سر انجام دیں۔

آپ چونکہ ماہر معاشیات بھی تھے اپنے بچوں اور خویش واقارب کو صنعت و تجارت کے پیشے سے منسلک کر دئے اور خوب منفعت پاتے رہے۔ آپ کی جسد خاکی راولپنڈی سے بذریعہ روڈ سکردو لائی گئی۔ ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں سکردو کے مقامی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا اور آنسوں اور سسکیوں کے بیچوں بیچ آپ کی مغفرت کے لیے دعائیں مانگتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت ورحمت کے فضاوں سے نوازے

جناب صوفی کی خدمات گلگت میں

صوفی صاحب دراصل آفاقی آدمی تھے۔ ان کی سوچ آفاقی تھے اور ان کا ویژن مضبوط اور پائدار تھا۔ وہ گلگت میں بحق سرکار ملازم تھے اور مختلف عہدوں پر فرائض منصبی انجام دیتے رہے تھے۔ جبکہ گلگت میں صوفیہ نوربخشیہ کی کوئی مسجد نہیں تھی۔ آپ کی قیادت میں لوگوں نے یہاں بھی مسجد کی تعمیر کے لیے قطعہ اراضی کی

آلاٹمنٹ کے لیے درخواست گزاری گئی اور کنوداس میں تعمیر مسجد کے لیے پلاٹ سرکار کی مہربانی سے الاٹ ہوئی۔ جب مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ آج الحمد للہ خانقاہ معلیٰ کی عالیشان عمارت قائم ہے جہاں جمعہ و جماعت کی پابندی کے ساتھ دینی فرائض انجام دئے جارہے ہیں۔ اس وقت گلگت میں دو جگہوں پر جمعہ جماعت کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

گزشتہ سالوں میں مرحوم صرف خانقاہ دیکھنے کے لیے عدالتی کام کے بہانے سکردو سے گلگت تشریف لائے تھے۔خانقاہ معلی کی عالیشان عمارت دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا بلکہ آب دیدہ ہوگئے۔

ہزاروں خواہشیں ایسیں کہ ہر خواہش پہ دم نکلے		بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

صوفی غلام محمد کی مدبرانہ صلاحیت

صوفی صاحب نہایت زیرک، ذہن رسا، سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ معاملہ فہم، قانون دان اور شرعی امور کے بھی شدھ بُدر کھتے تھے۔ جب بھی قوم کو آپ کی ضرورت پیش آئی وہ ہمیشہ قوم کے دکھ درد کا مداوا کرتے تھے چونکہ تعلیم یافتہ اور دانشور طبقہ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ جب قوم کو کوئی سنگین حالات کا خدشہ ہوتا آپ کا ذہن رسا قوت کام کرنے لگتی تھی۔ علماء اور دانشور لوگوں کو جمع کرتے تھے اور مل بیٹھ کر مشکلات کا فوری حل نکالتے۔ یہ ان کا کمال تھا کہ وہ مدرسہ شاہ ہمدان کے پلیٹ فارم پر جمع کرکے اجتماعی قانونی و شرعی اور انتظامی معاملات کو احسن طریقہ سے نمٹادیتے تھے۔

وقت کے مختلف چلینجز کے ساتھ اٹھنے والی سیاسی و مذہبی فتنوں کی آگ بجھاتے تھے۔ جہاں کہیں مذہبی اور اجتماعی قسم کے یا کسی بھی گروہی تنازعات کا انتہائی سمجھداری اور سلیقے سے حل کرتے تھے۔ انسانی ہمدردی اور قومی وملی معاملات سمجھنا، پھر سمجھ کر ان کا فوری حل نکالنے کی امتیازی ملکہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خطرناک سے خطرناک فتنوں کو نمٹانے میں ان کا کردار مثالی تھا۔ آپ کی مدبرانہ صلاحیتوں نے قوم کی بڑی خدمات انجام دیں جو تاریخی بھی ہیں اور ناقابل فراموش بھی۔ لیکن افسوس ہماری قوم ہر وقت احسان فراموش ثابت ہوئی ہے۔ نئی نسل کو چاہیئے کہ ہمارے اکابرین اور علمائے کرام اور صلحائے عظام اور علمائے ذوی الاحترام ان کی خدمات کو نہ بھولیں ان کی علمی اور دینی خدمات کی یاد تازہ کرتے ہوئے ان کی زندگی کی تقلید کریں تب ہم کامیاب

ہوسکتے ہیں۔

لطف مرنے میں باقی نہ سزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پینے میں

کتنے بے تاب ہیں جوہر مرے آئینہ میں
کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستان کو مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

اور یہ آخری کلمات ہیں کہ ان کی روح کی نذر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کی اخروی درجات یاد فرمائے۔آمین یاربّ العالمین۔ان کے نام چند اشعار حاضر خدمت ہیں۔

رنگ حسن یار نے دیوانہ کردیا
ہوش بہار ہے نہ خزاں کی خبر مجھے

اب منحصر ترے سہارے زندگی
تنہا نہ چھوڑ ہجر میں درد جگر مجھے

او جھل ہے شام ہی سے رخ یار نزع میں
کاج دیبھت نصبح نہ ہوگی سحر مجھے

اب دیکھنا ہے کیا مری تربت کو بار بار
پامال کرنے آیا ہے پامال کر مجھے

بدمم میں اک ساز حقیقت طراز ہوں
باور نہ ہو تو دیکھ ذرا چھیڑ کر مجھے



حاجی غلام نبی شاہین مرحوم

مرحوم حاجی شاہین نبی میرے دیرینہ دوست اور ہمدرد انسان تھے۔ان کی بھی قوم وملت کے لے بڑی خدمات ہیں ایک وقت تھا وہ قوم کے لیے ہیرو ثابت ہوئے۔ہر موڑ پر بڑی ہمت وجرأت سے قوم کی مشکلات پر کمربستہ اور خدمت کے لیے تیار رہتے تھے۔قوم کی ماؤں نے آپ کو دعا دی،لوگوں نے عزت واحترام دیا۔ایک دفعہ آپ انتخابات میں بھی حصہ لیا۔جی بی کونسل کی ممبر شب حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔عوام کے دلوں میں ان کا بڑا احترام تھا۔خانقاہ چھچھین کے کیس میں ان کی ناقابل فراموش خدمات ہیں۔اس سلسلے میں ان کی ملت کے ساتھ محبت اور جذبہ ایمانی دیدنی ہوا کرتا تھا۔آپ بہت ہی نڈر،بے باک مجاہد تھے۔خوبصورت قول وقرار کے مالک تھے۔بہت خلیق،ملنسار،حلیم،سخاوت وذکاوت کے مالک تھے۔انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے بے اے کا امتحان پاس کیا تھا۔بچپن میں دین کو زبوں حال دیکھ کر قوم کی خدمت سوجھی مگر وقت نے ساتھ نہ دیا۔ان کو رزق اور کسب حلال کا راستہ اختیار کرنا پڑا اور سعودی عرب چلے گئے اور کئی سال وہاں پر مقیم رہنے کے بعد آپ اسلام آباد منتقل ہو گئے اور کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو بخشش عطا کرے اور سوگوار خاندان کو صبر جمیل عطا کرے اور جنت علیٰ علیین مرحمت کرے۔آمین۔

راقم چند اشعار ان کے نذر کئے دیتا ہوں:

رولاتا ہے مجھے ہر دم ترا خاموش ہو جانا
ترے درد الم میں پھر مرا مدہوش ہو جانا

رہے آفاق پر روشن سر شام شفق احمر
مرے سوز وغم پنہاں سے ہم آغوش ہو جانا



محسن ملت حاجی غلام حسن شگری

محسن ملت حاجی غلام حسن شگری پچھلے دنوں اسلام آباد میں چند روز علیل رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ مرحوم نہایت ہی باصلاحیت، باکردار، ہمدرد انسان، نیک خواہ اور حلیم و کریم شخصیت کے مالک تھے۔ مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری ایام ملت کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ علامہ ابوالعرفان علیہ الرحمہ کی علالت کے دوران ان کی تمام تر مشکلات میں ان کی مخلصانہ خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کی علاج و معالجہ سے لے کر گھر کے تمام امور کو بھی سلجھاتے رہے اور ابوالعرفان کے پسماندگان کی خدمات کو اپنا اولین فرض سمجھتے رہے۔ قوم وملت کے عظیم محسن تھے۔ مرحوم بہت جلد اپنی موت کے آغوش میں چلے گئے۔ احباب اور خاندان کو نہایت مغموم اور ملال چھوڑ کر اپنی ابدی وطن کو سدھار گئے اللہ تعالیٰ ان کو جنت عدن میں اپنے جوار رحمت میں مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل بخشے۔ آمین:

یاد ہو رفتہ مری خاک کو اکسیر ہے　　　میرا ماضی مرے استقبال کی تعبیر ہے

حاجی صاحب پیشہ کے اعتبار سے چارٹر / اکانٹنٹ تھے۔ آپ آخری ایام تک انجمن صوفیہ نوربخشیہ اسلام آباد سے منسلک رہے اور انجمن کے امور سلجھاتے رہے۔



مولانا جاوید اقبال

قطرہ جو بحر محبت میں فنا ہوتا ہے　　مٹ کے گوہر دُرج بقا ہوتا ہے

بندہ جو مرضی مولا پہ فدا ہوتا ہے　　فرد کشور تسلیمُ ورضا ہوتا ہے

مجاہد ملت فخر علماء نوربخشیہ محترم بوا محمد اقبال مرحوم انتہائی باصلاحیت عالم باعمل ہستی تھے۔ آپ بروز بدھ جنوری ۲۰۲۱ء کو اپنے گاؤں میں اچانک رحلت پا گئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وِاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اپنی جوار رحمت میں مقام عطا فرمائے اور غریق رحمت اور غریق مغفرت فرمائے اور لواحقین خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔گلگت کے تمام نوربخشی عوام اور جملہ احباب کی طرف سے پسماندگان اور والدین کو صبر واستقلال کی تلقین کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اس عظیم سانحہ وصدمہ میں برابر کے شریک ہیں اور پرسہ دیتے ہیں:۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

جناب مولانا محمد اقبال علیہ الرحمہ بہت ہی بڑے عالم فاضل، دین کا جان نثار مجاہد تھے۔ملت کے لیے ان کی گرانقدر خدمات ہیں۔ آپ مدرسہ شاہ ہمدان سکردو کے اساتذہ میں سے تھے۔عالم نوربخشیہ کے ممتاز عالم دین تھے۔بہت جری، غیر تمند، صاحب بصیرت شخص تھے۔بہت ہی سنجیدہ، متحمل مزاج، ہمدرد اور باوفا دوست تھے۔ آپ مدرسہ شاہ ہمدان کے طلباء وطالبات میں ہر دلعزیز استاد تھے۔احسن شفقتوں کا سایہ سب پر مثال ظل ہما تھا۔مدرسہ کے معاملات اور دینی امور میں جناب قابل صد احترام فخر نوربخشیہ جناب موانا شیخ عبداللہ انصاری صاحب کے قوت بازو تھے۔انتظام وانصرام کے سلسلہ میں بہت ہی مدبرانہ سوچ رکھتے تھے۔تدریس وتعلیم کے ساتھ دینی طالبات کے لیے ایک ہاسٹل کا اہتمام وانصرام آپ کی نگرانی میں تھا۔لوگوں کا آپ پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔بہت متقی پرہیز گار معلم تھے۔نہایت ہی حلیم طبع، مہربان، خوبصورت خیالات ونظریات کے مالک تھے۔ان

کے مزاج میں عجز و انکساری کے عنصر زیادہ تھے۔خوش باش اور خوش لباس تھے۔ذہن و فہم کے اعتبار سے بھی مضبوط صلاحیتوں کا حامل تھا۔نیک سیرت اور خوبصورت شکل و شمائل کا پیکر تھے۔اصولی اور متدین رکھ رکھاو کے مالک تھے۔

مختصر تعارف

محترم بوا اقبال ولد محمد موضع یوردو وزیر پور کے پشتینی باشندہ تھے۔آپ ۱۹۸۳ء کو شگر میں پیدا ہوئے ۳۸سال کی عمر میں٦ جنوری 2021ء بروز بدھ وفات پا گئے۔ ابتدائی تعلیم پرائمری سکول گلاب پور شگر اور مٹرک کا امتحان اسلام آباد بورڈ سے پاس کیا دینی تعلیم کے لیے مدرسہ مظہر العلوم صوفیہ نوربخشیہ تھلے میں مولانا عبدالسلام علیہ الرحمہ کے سامنے زانوئے تلمند تہہ کیا۔اعلی تعلیم کے لیے اسلام آباد روانہ ہوئے مختلف دینی مدارس میں زیر تعلیم رہنے کے بعد وفاق المدارس کی سند حاصل کی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ۲۰۱۰ کو مدرسہ شاہ ہمدان سکردو سے منسلک ہو گئے۔تدریس و تعلیم کے فرائض انجام دیتے رہے ۲۰۱۳ء میں مدرسہ شاہ ہمدان کے طالبات کے لیے ہاسٹل کا انتظام ہوا تو آپ بطور وارڈن اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ ایک سوشل ورکر تھے دینی تعلیم و تحقیق آپ کا مشغلہ تھا لیکن عمر نے وفا نہ کی نوربخشی دنیا میں اتفاق واتحاد اور تبلیغی اُمور میں اہم کردار ادا کر رہے تھے۔

معاشرتی خدمات اور نجی مصروفات

معاشرے میں آپ بوا اقبال کے نام سے معروف اور سب لوگوں میں برابر مقبول تھے۔سماجی، مذہبی، معاشرتی، علاقائی، دفاعی کاموں میں خوب حصہ لیتے رہے۔سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے سنجیدہ خصلت کے مالک تھے۔آپ اپنے گاؤں میں بااثر شخصیت سمجھے جاتے تھے۔

علاقائی ترقیاتی اور تنظیمی امور میں حصہ لیتے تھے۔اس طرح آپ اپنی زندگی کو ذاتی انفرادی کے علاوہ اجتماعی کارکردگی میں بھی وقف کئے رکھی تھی۔عوامی سطح پر بھی آپ بہت مقبول اور معروف شخصیت تھے۔

معاشرے میں آپ قاضی، نکاح خوان کی حیثیت سے سرکاری رجسٹرار تھے۔ زراعت کے پیشے سے بھی منسلک تھے۔ زرعی فصلوں کے حصول کے باعث بھی اچھا خاصا تجربہ رکھتے تھے۔ شگر کے عوام کا رہبر و راہنما ہی مقبول اور صاحب و قار فرد تھے۔ علمائے کرام میں بھی آپ کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ مدرسہ شاہ ہمدان کے اساتذہ کے درمان حسن اخلاق و تدبر کا پیکر مانا جاتا تھا۔

علم و فضل اور علمی خدمات

مرحوم بوا اقبال بہت ہی لائق فائق عالم باعمل تھے۔ انہوں نے دنیا کی ہر چیز کو چھوڑ کو خود نسل انسانی کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ مبذول کی۔ مدرسہ شاہ ہمدان قلیل مشاہرے کے عوض تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور اپنے فرائض میں خوب سے خوب تر کی تلاش جاری رکھی۔ مرحوم باذوق علمی شخصیت تھے۔ الفقۃ الاحوط کے استخراج و استنباط پر کام کرنے کے خواہشمند تھے اور فدوی کو اس طرف مبذول کار اور علمی مددکار۔

دینی خدمات

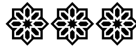
مدرسہ شاہ ہمدان کے تدریس و انتظام میں آپ بہت ہی متحرک اور معتمد شخص تھے۔ قابل قدر جناب شیخ عبداللہ صاحب مہتمم مدرسہ شاہ ہمدان کے قابل اعتماد ساتھی اور قوت بازو تھے۔ مرکزی سطح کے جملہ اجلاسوں اور مٹنگوں میں سربرآوردہ رکن کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ مدرسہ شاہ ہمدان کی ترقی اور تعمیرات میں و دیگر محنتی اساتذہ کے ہمدوش ہر معاملہ میں پیش پیش رہتے تھے۔

علمی اور سماجی خدمات کے لے ہمہ وقت زندگی وقف رکھتے تھے۔ طالبات کے لیے ایک الگ سا اچھا اور خوبصورت انتظامات پر مبنی ہاسٹل آپ کے زیر انتظام چل رہا تھا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ اس ہاسٹل میں رہائش پذیر طالبات کی ہر قسم کی نگہداشت اور تعلیم و تربت اور علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے۔ دن رات ان کی ضرورتوں کی فراہمی میں بڑے انہاک سے کام کرتے تھے۔ علامہ عارف حسنو تھلوی صاحب جیسے معلم کی حمایت حاصل تھی۔

پند و نصائح

محترم بو اقبال بہت ہی شعلہ بیان مقرر تھے۔ مدلل اور قرآن و سنت پر مبنی انداز بایان ہوا کرتا تھا۔ آواز میں بھاری پن تھا۔ سلسلہ بیان کو خوب تر کرتے تھے۔ سامعین سے داد تحسین حاصل کرتے تھے۔بیان اختصار، انداز گفتگو قَلَّ وَمَا دَلَّ پر مبنی ہو تا تھا۔ اشعار اور امثال سے بھرپور اظہار خیال فرماتے تھے۔لوگوں کا اتحاد اور اتفاق اور ملت میں یگانگت کا داعی تھے۔ انتشار و افتراق سے روکتے تھے۔حسن صورت کے ساتھ حسن سرت کے پیغام پہنچانے کے عادی تھے۔ علماء میں بہت خوش طبع اور خندہ انسان تھے۔ احباب میں جس طرح گھل مل جاتے تھے۔ طلبہ اور عوام میں بھی عزت و وقار کا مرکز تھے۔ہر کار خیر کی تعلیم و تربیت آپ کا وطیرہ تھا۔ نہایت سادہ مزاج تفوق و تقلیب کے قائل نہ تھے۔ خطبات و مواعظ لطیف اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ بہر حال آپ کے مواعظ و خطبات میں جو رنگ تھے وہ دلکش تھا اور مافی الضمیر شاعر کی زبانی عرض ہے کہ:

ساری دنیا کے لیے پیار کی پہچان بنو — جس پر اللہ کرے ناز، وہ انسان بنو
قوم و ملت کی رسوائی کا نہ سامان بنو — ساری دنیا کے لیے پیار کی پہچان بنو
ایک ہی باغ کے پھولوں کی طرح کھل کے رہو — ایک ہی تسبیح کے دانوں کی طرح مل کے رہو
ایک ہو جاؤ تو فولاد کی طاقت ہو تم — ساری دنیا کے لیے شمع ہدایت ہو تم
اپنے آباء کی طرح صاحب ایمان بنو — جس پہ اللہ کرے ناز وہ انسان بنو



علامہ محمد ابراہیم فیضی

جناب محترم مولانا علامہ محمد ابراہیم فیضی علیہ الرحمہ نہایت ہی قابل، فاضل اور عالم شخص تھے۔ جن کی علمی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

آپ بڑے باکمال عالم باعمل تھے۔ علم و فضل میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ عوام و خواص میں برابر مقبول اور منظور نظر مقام رکھتے تھے۔

ابتدائی تعلیم کا آغاز یوچنگ سے کیا۔ پرائمری اور مدرسی تعلیم خپلو شہر سے حاصل کی۔ یوچنگ کے پشتینی باشندہ تھے اور مذہبی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ علماء میں بے مثال اور بے بدل تھے۔ آپ کے والد گرامی بوا علی یوچنگ نائب خطیب اور پیش امام تھے۔ وہ نہایت زہد و تقویٰ کے پیکر تھے۔ والدین بڑے مذہبی صوم و صلواۃ کے پابند تھے۔ جن کی دین دوستی اور تقویٰ و طہارت کے طفیل آپ اس حد علم و کمال سے بہرور ہو گئے۔

دینی تعلیم کے حصول کی خاطر مرحوم مفتی اعظم مولوی عبد اللہ علیہ الرحمہ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ ان سے علوم و فنون پڑھنے کا شوق اجاگر ہوا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے کراچی چلے گئے وہاں سے علوم عربیہ اور اسلامیہ سے فراغت و تحصیل پائے جامعہ نعیمیہ کراچی میں کچھ عرصہ تدریس کی ذمہ داری احسن طریقے سے نبھاتے رہے۔ پھر روزی کی تلاش کے جذبوں سے معمور ہوئے تو سرکاری ملازمت کے حصول میں لگ گئے۔ خوش قسمتی سے بغیر ٹسٹ انٹرویو کے محکمہ تعلیم میں و سرکاری سکول میں تدریس کے لیے بھرتی ہوئے۔ عرصہ دراز مختلف سرکاری سکولوں میں تدریس کرتے رہے۔ ہزاروں لوگ آپ سے علم و ہنر کے فیض پاتے رہے۔ آپ کی ملازمت میں بھرتی ہونے سے پہلے لطف واقعہ پیش آیا۔ بوا مرحوم کے ساتھ ستر / اسی کے لگ بھگ بے روزگار مولوی سرکاری ملازمت کے لیے محکمہ تعلیم میں درخواست گذار چکے تھے۔ ابھی ان کے ٹیسٹ انٹرویو کی

باتیں چل رہی تھیں اور راقم بھی ان کے ہمراہ ان لوگوں میں شامل تھا اور ہم گورنمنٹ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ بغیر ٹیسٹ انٹرویو کے تمام درخواست گزاروں کو بھرتی کیا جائے۔اس موقعہ پر ناچیز نے بہت تقریر کی اور نعرہ بازیاں کیں جس کے نتیجے میں تمام لڑکوں کو بغیر ٹسٹ انٹرویو کے ملازم بحق سرکار بھرتی کئے گئے۔ جب کہ راقم ناچیز ہنگامے میں برابر شریک ہونے کے باوجود مٹرک کا سرٹیفیکیٹ نہ ہونے کی وجہ سے سلیکٹ نہ ہو سکا میری خوش قسمتی بوامرحوم کی یہ ہوئی وہ چند لوگ اس مطالبہ میں شریک تھے جن کا جلوس ایجوکشن آفس سے سکریٹری آفس تک نکالا گیا تھا۔ تمام شرکائے مطالبہ کو سوائے میرے محکمہ تعلیم میں استاد بھرتی کئے گئے اور ناچیز اس خوبصورت موقع سے فائدہ نہ پاسکا اور جو شور شرابا اور ہنگامہ کیا تھا کم از کم میرے لیے مفید نہیں رہا۔ البتہ بوا لوگوں کے لیے بہت اچھا فائدہ ہوا۔

بوادراصل خود صاحب خلق تھے ہر ایک کے ساتھ ہنس مکھ کر رہتے تھے اور مرنجھامرنج مزاج کے حامل تھے ہر ایک سے خندہ پیشانی سے رہنا ان کی زندگی کی صفات کا سرچشمہ رہی۔ اپنے پرائے سب آپ کی تعریف کرتے اور علم و فضل کا اعتراف کرتے تھے۔

آپ کا مخصوص انداز گفتگو تھا۔ بحث و تمحیص کے قائل نہیں تھے۔ مگر اسلوب بیان نہایت شستہ اور پائدار ہوا کرتا تھا۔ یہ خاصیت تقریر و خطابت کے دوران اور بھی نکھر کر سامنے آتی تھی۔لوگ آپ کی تقریر، وعظ و نصیحت اور شعلہ بیانی سے خوب متاثر ہوتے تھے۔اس کی زندگی عملی میدان میں براجمان ہوتی تو ان پر کسی گای اتراف ضو فگن تھے وہ ہم جانتے ہیں۔ معاشرے کو ایسے ذہین وفطین علماء کی ضرورت تھی جو میدان عمل میں کود کر قوم کی زیرکی اور اخلاص سے خدمت کرے اور نئی پود کی تعلیم و تربیت پر توجہ مبذول کرے۔ مولانا مرحوم گنے چنے علمائے کرام میں سے تھے کہ قوم کے لے ہر وقت کام کرنے کا شغف رکھتے تھے اور ملت کو مخلصانہ رہبری کا بیڑا اٹھایا۔ اس منظر میں بوامحترم کو مدرسہ شاہ ہمدان کی انتظامیہ نے مدرسہ سنبھالنے اور اس کے نظام کو درست اور راست انداز میں چلانے کی آفر ہوکی۔ چونکہ قوم کو ضرورت تھی۔ خود اخلاص سے معمور

دل رکھتے تھے۔ نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا تجربہ رکھتے تھے۔ بجا طور پر ان ملازمت میں سکردو تبادلہ کیا گیا اور ادارے انتظام اہتمام سونپا گیا۔ بہت راست اقدام تھا۔ اس اقدام سے مدرسہ کو بہت فائدہ ہوا۔ ان کے ساتھ قبلہ محترم مفتی علی محمد ہادی صاحب بھی معاون و مددگار تھے۔ مدرسہ خوبصورت انداز سے چلنے لگا اور بہت طلبا مدرسہ سے خالص دینی و مذہبی علوم سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ ان کی محنت اور اخلاص کا فائدہ پوری قوم کو ملنے لگا۔ لیکن طاغوتی حلقے اس راہ میں حائل ہوگئے۔ مدرسہ کا اہتمام آفسران شاہی کا شکار ہوگیا اور مدرسہ تعلیمی امور اور ترقی و استحکام کے سفر میں ارتقائی منزل طے نہ کرسکا۔ اتفاق و اتحاد کے بجائے کچھ عرصہ تنقید کا نشانہ بنتے رہے۔ الحمدللہ آج یہ مدرسہ شاہ ہمدان جناب شیخ عبداللہ انصاری کی سربراہی میں خوب پھل پھول رہا ہے۔ اچھے نظام کی سڑک پر چل چکا ہے۔ موصوف کی قیادت میں دیگر علمائے کرام اور مدرسین جن میں بوا داؤد صاحب، بوا نذیر صاحب، بوا محمد اقبال مرحوم، بوا یوسف مرحوم، بوا عبد السلام، بوا موسیٰ علی صاحب وغیرہ کی معیت میں بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں جو قوم اور ملت کی بڑی ضرورتوں کو پوری کرنے میں نہایت دلجمعی اور انہماک سے مصروف عمل ہیں۔ ان کی خدمات قابل قدر ہیں ان کی کارگزاریاں قابل تقلید ہیں۔ لیکن کچھ منفی سوچ رکھنے والے عناصر کی ستم ظریفیاں آڑے آتی رہیں گی۔ تاہم علماء کو چاہیے کہ اپنے اس تدریسی اور عملی تحریک اور کاوشوں کو خوب سے خوب تر انداز میں جاری و ساری رکھیں۔ ایسے ہی خوبصورت سسٹم جو تعلیم نسواں کی خاطر ترتیب دیا گیا ہے۔ مدرسہ شاہ ہمدان کے پلیٹ فارم سے جو نظام مرتب ہوا ہے قابل تعریف ہے۔ مولانا علامہ عارف حسین کی زیر نگرانی اس شعبہ میں اچھی تبدیلی آئی ہے۔ قوم کا مستقبل بنانے کے لیے نسوانی تعلیم و تربیت اور عورتوں کی معاشرتی اصلاح کا درست اقدام اٹھائے گئے ہیں۔ نہایت خوبصورت انداز جو داد تحسین کے لائق ہے۔ ان امور کے پس منظر میں نہایت قابل قدر علمی و فکری شخصیت کی کاوش گرانقدر ہیں ۔ کورو کے صوفی منش شخصیت مولوی محمد علی اور قوم کے ہراول مرحوم جسٹس محمد علی صاحب کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ ایک عظیم قوم کی عظیم نشانی یہ ہے کہ قوم کے محسنین کی دینی خدمات اور احسان کو نہیں بھولتے۔ اگر

خدمت صرف اسلام اور دین کی ہو رہی تھی جو اخلاص اور نیک نیتی پر ہے جنہوں نے اس طرح کی مضبوط بنیاد پر قائم کیں آج ان بنیادوں میں خوبصورت اور پائدار قسم کی ظاہری و باطنی عمارتیں کھڑی ہیں اور مزید ترقی کی راہیں طے کرتے چلے جائیں گے۔ تاہم اس راہ میں طاغوتی طاقتوں سے شر اور فساد سے احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ الحمدللہ آج ملت ہر طرح کے شعبوں میں تعمیر و ترقی کے منازل طے کر رہی ہے۔ قابل صد تحسین ہے۔ اللہ تعالٰی پر بھروسہ کرتے ہوئے قوم و ملت کی راہنمائی پر لگے رہیں تو یہ اہل علم اور اہل فکر و نظر کا کمال ہو گا۔

اس راہ میں جن نیک اور مخلص لوگوں نے اپنا اپنا حصہ ڈالا ملت کے لیے جانی و مالی مدد ملی غنیمت سمجھنا چاہئے۔ کسی نے دولت صرف کیا کسی نے محنت کی اور علماء و صلحا مقدور بھر کوشش سے ملت کے مفاد میں کام کیا۔ غیر تمند قوم کا وطیرہ جو کہ وہ انتشار سے زیادہ اتفاق و اتحاد پر زور دیتے ہیں، اخلاقی مسئلوں اور نظریات کو صبر و تحمل سے تحلیل کرنے کی ناگزیر ضرورت کو فراموش نہیں کرتے۔ اختلافات اچھالنے کے بجائے تدبر و تحمل سے ان کا حل تلاش کرتے ہیں۔ غیور قوم کی اچھی صفات میں سے یہ بھی اپنے علمائے ذی وقار کا احترام کرتے ہیں اور ان سے ان کی صلاحیتوں سے ان کے علم و فن سے ستفادہ کرنے کو عار نہیں سمجھتے۔ ہر فرد محسن کی یادیں تازہ کرتے رہتے ہیں۔

بوامحمد ابراہیم فیضی ان محسنوں میں سے ہیں جن کی یادیں تازہ کرنا ہماری ذمہ داریوں میں شامل ہو رہا ہے۔ بوامرحوم کے فرزندان الحمدللہ صاحب حیثیت، باثروت، علم و ہنر کا خزانہ رکھتے ہیں۔ ان کی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ مولوی محمد بشیر آفتاب بھائی ہیں ان کی بھی قوم اور اہل نوربخشیہ کے لیے گراں خدمات ہیں۔

مولوی غلام رسول صاحب مدرسہ صوفیہ نوربخشیہ سترونپی کے ناظم الامور ہیں ماشاءاللہ۔ ان کی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ ان کی کاوشوں جو ادارے کے حق میں انجام دے رہے ہیں قدر کی نگاہ سے دیکھنے کے قابل ہیں۔

اس ادارے کے اساتذہ کی علمی و تعلیمی، انتظامی خدمات سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ یہاں

کے اساتذہ علماء وصلحاسب کے سب ملت کے لیے بڑی محنت کررہے ہیں۔ ہم ان سب کے احسان مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی محنت اور مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین

ادھر جن علماء کا رحجان نشرواشاعت اور دین کے تبلیغی شعبہ جات سے منسلک ہیں ان کی اپنی قدروقیمت ہے۔ یعنی علامہ مفتی علی محمد ہادی صاحب، جناب غلام حسن حسنو صاحب، مولانا علی محمد محمدی صاحب، بو احمد صاحب، محترم بوا انور بلغاری صاحب وغیرہ کی اشاعتی مہم کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں جن کے اثرات اور نشرو اشاعت کی محنت دوررس نتائج کا حامل ہیں۔

بوا فیضی مرحوم ندوئہ اسلامیہ کے فعال کارکن تھے۔ علامہ ابو العرفان کی اشاعتی تحریک کے روح روان کارکن تھے۔ ان کی روِش سے سبق سکھ سکتے ہیں۔ ادھر نوربخشی علماء سپریم کونسل کو بھی بھول نہیں سکتے۔

محترم عبدالسلام صاحب، بوا محمد محسن علی کی سرپرستی میں بڑا کام ہوسکتا ہے۔ ادارہ کو فعال کرنے کی ضرورت ہے۔ شعوری طور اس تنظیم کی اہمیت غیر معمولی ہے۔ ذاتیات سے بالاتر ہوکر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا اقبال بہت ہی محنتی اور خداداد ذہن رکھنے والے انسان تھے۔ وہ مدرسہ شاہ ہمدان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا اس کو طریق امتیاز تھا۔ مجھے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس دور کے مہذب اور ترقی یافتہ لوگ بوا فقیر جیسے لوگوں کی خدمات فراموش کررہے ہیں۔

ملک وملت کی خدمت ان پاکیزہ ذاتوں سے ظہور ہوتی ہے جس کو اخلاص اور دیانت داری کی عظیم دولت ودیعت کی گئی ہو۔ یہ پاک سیرت لوگ ملک وملت اور دین اسلام کے حقیقی محافظ کہلاتے ہیں۔

خدا رحمت کنادایں عاشقانِ پاک طینت را



یادرفتگان

مولانا ابراہیم فیضی بھی داغ مفارقت دے گئے

احسان علی دانش

مولانا ابراہیم فیضی بھی داغ مفارقت دے گئے۔

میں پہلی بار 1983 کے اواخر میں کراچی پہنچا اور۔198586 کا زمانہ مدرسہ دارالعلوم قمرالاسلام سلمانیہ پنجاب کالونی گزری روڈ کراچی نمبر 6 میں اس لیے بھی گزارا۔ چونکہ ویسے بیٹھے بیٹھے قیام وطعام کا خرچہ پورا کرنا آسان نہیں تھا۔ اس مدرسہ میں مولانا ابراہیم فیضی استاد تعین تھے۔ مولانا صاحب نے اسی مدرسہ سے تعلیم حاصل کی تھی اور جب ایم اے کے امتحان میں یونیورسٹی ٹاپ کیا تو مدرسہ کے منتظمین نے آپ کو بطور استاد تعین کیا تھا۔ آپ جہاں خداداد صلاحیتوں کے حامل انسان تھے وہاں آپ کی شستہ زبان وبیان میں غیر معمولی روانی اور شیرینی آپ کو دیگر علما سے ممتاز کرتی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک توانا لہجے کا خطیب بن گئے تھے۔ آپ کی خطابت میں شعلہ بیانی کی انتہا یہ تھی کہ رمضان المبارک میں کراچی شہر کی مختلف محافل شبینہ سے خطاب کرنے والے مقررین میں آپ کا نام بھی شامل ہوتا۔ محفل شبینہ سے متعلق دیواروں پر لگے بڑے بڑے اشتہارات میں خطیب لاثانی مولانا محمد ابراہیم فیضی کا نام نظر آتا تو ہم اپنی قسمت پر نازاں ہوتے۔ مجھے دو سالوں کے لیے آپ کے زیر سایہ دینی علوم حاصل کرنے کا اتفاق حاصل ہوا۔ میری زندگی کی کیریر اور اردو زبان کی صفائی کے لیے یہ

دونوں سال نہایت مفید ثابت ہوئے اور یہیں سے پہلی بار تذکیر و تانیث کے فرق کا ادراک ہونے لگا۔ اس مدرسے کے علاوہ بھی کراچی کے درجن بھر دینی مدارس میں نوربخشی طلبا زیر تعلیم تھے اور ان کی نگرانی میں چند سینئیر لوگ شامل تھے ان میں مولانا محمد ابراہیم فیضی صاحب کا نام سرفہرست تھا۔ نوربخشی طلبا کے اعتقادات کی نگہداری کے لیے آپ بلتی کمرے میں تشریف لاکر فقہ احوط، دعوت صوفیہ اور اصول اعتقادیہ کا درس دیا کرتے تھے۔ اس دور میں نوربخشی دینی طلبا کی ایک باقاعدہ تنظیم تھی جس کے تحت ہر پندرہ دن بعد ایک بزم ادب ہوا کرتی تھی اور اس بزم کی میزبانی ان تمام مدارس کو ملتی جہاں بلتی نوربخشی طلبا زیر تعلیم تھے۔ یوں طلبا کو تعلیم کے ساتھ ساتھ بہترین تربیت بھی مل جاتی تھی۔ آج بلتستان بھر میں جتنے علماء خطابت اور امامت سے عہدہ برا ہو رہے ہیں اس سنہرے دور کی پیداوار ہے جن کی فہرست طویل ہے اور بلتستان کے سرمیک سے لے کر چھوربٹ اور کیریس سے لے کر ہوشے اور سلترو اور شگر تک پر محیط ہے۔ کراچی سے لوٹے تو آپ بطور استاد تعین ہوئے اور بلتستان کے مختلف سکولوں میں درس دینے لگے۔ بلتستان میں قیام کے دوران مختلف محافل و مجالیس میں آپ اردو زبان میں خطاب کرنے لگے اور آپ کے فن خطابت کے ڈنکے چار سو بجنے لگے۔ حسین آباد میں سالانہ منعقد ہونے والے جشن یوم الحسین میں آپ کو خصوصی دعوت دی گئی اور آپ نے فن خطابت کا جوہر دکھایا۔ جبکہ نوربخشی محافل و مجالیس کی آپ جان ہوا کرتے تھے۔ آپ کی جب پوسٹنگ سکردو میں ہوئی تو انجمن صوفیہ نوربخشیہ سکردو نے محرم الحرام کا عشرہ پڑھنے کی درخواست کی اور آپ نے کئی سال جس شان سے عشرہ پڑھا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کی رواں دواں اردو میں فصاحت و بلاغت سے بھرپور خطاب سننے کے لیے اپنے بیگانے سب سامعین بن جاتے تھے۔ وعظ و نصیحت کے بعد ذاکری کرنے کا فن بھی انتہا تھی۔ مجھے نہیں خیال کہ مولانا فیضی کا اس فن میں کوئی نعم البدل پیدا ہوا ہو۔

آپ کی پیشہ ورانہ زندگی میں اس وقت موڑ آیا جب آپ خونی کینسر میں مبتلا ہو گئے اور دوران علاج زبان میں لکنت پیدا ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی شعلہ بیانی کا شعلہ بجھ گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی اور آخری

بار اپنا خون گروپ اس وقت چیک کیا جب استاد محترم کی سکردو ہسپتال میں شدید بیمار دیکھا۔ میں تو اپنے استاد کو نہایت لاغر انداز میں بستر علالت پر دیکھ کر رگوں میں موجود خون براہ راست دینا چاہا تھا مگر ڈاکٹر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا کہ خون نکالنے سے قبل گروپ چیک کرنا ہوتا ہے اور اگر برابر آئے تو دیا جاسکتا ہے۔یوں میری بد بختی سے گروپ جدا نکلا۔

اس بیماری میں اسلام آباد میں آپ کے دماغ کا جب آپریشن ہوا اور طبعیت قدرے بہتر ہو گئی تو آپ نے ایک محفل میں عجیب واقعہ سنایا جو آج میں آپ سب کی خدمت میں شئیر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے جب آپریشن تھیٹر لے جایا جارہا تھا تو لواحقین کے ساتھ ڈاکٹروں کے سمجھوتے پر دستخط ہو رہا تھا تو انہوں نے لواحقین سے کہا تھا کہ آپ کے مریض کے بچنے کا چانس 40 فیصد ہے اور مرنے کا 60 فیصد ہے لہذا عین ممکن ہے کہ ہماری کوششیں بے سود ہوں۔ آپ لوگ ذہنی طور پر ڈیتھ باڈی وصول کرنے کو تیار رہیں۔

مجھے جب بے ہوشی لگائی گئی تو میں کسی دوسری دنیا میں پہنچ گیا جہاں میرے سامنے ایک باریش بزرگ نمودار ہو گیا اور کہنے لگا بیٹا کینسر کی بیماری نے تجھے دبوچ لیا ہے شاید تیرا کام تمام ہو۔

میں نے بابا کے سامنے فریاد کیا کہ اس وقت میرے لیے دلاسہ اور سہارا دینے والا آپ کے علاوہ کوئی نہیں لہذا آپ کوئی ایسی ترکیب نکالے جس سے میری جان بخشی ہو جائے۔

بابا نے مجھ پر نظر ترحم سے دیکھا، سوچا پھر کہا بیٹا دعاوں کی ضرورت ہے آپ کی بیماری شاید دعا سے ٹھیک ہو جائے۔

بابا دعا تو مجھے ساری قوم دے رہی ہے کوئی اور طریقہ دکھایئے۔

کوئی دوسرا طریقہ نہیں دعائیں چائیں اور دعائیں بھی 10 لاکھ چھیاسی ہزار چھے سو چھیاسی دعائیں درکار ہیں۔ اتنی دعائیں تیری بیماری کا مقابلہ کر سکیں گی۔

اس تعداد کے سنتے ہی میری امیدیں دم توڑ گئیں اور مرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

میری حالت دیکھ کر بابانے کہا چلیے میں آپ کے لیے کی گئی ساری دعاوں کو جمع کرتا ہوں۔ بابانے میرے سامنے ان تمام دعاوں کو جمع کرنا شروع کیا جو میری صحت کے لیے کی گئی تھیں۔ میرے گھر والے، رشتہ دار، گاوں والے ،خپلو خانقاہ، چقچن مسجد، سکردو جامع مسجد، اسلام آباد کراچی غرض تمام دعاؤں کو جمع کرنے کے بعد صرف دو دعا کی پھر بھی کمی رہ گئی اور بابا منفی میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا بیٹا اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔

میں نے کسمپرسی کے عالم میں التجا کی بابا پلیز میری جان بچائے۔

بابانے میری نظروں کے سامنے میرے گاؤں یوچنگ میرے گھر کے سٹور میں موجود ایک پرانے بکس کو کھولا جس میں ہمارے دور کے ایک رشتہ دار جو ہندوستان میں مقیم ہے اس کا آیا خط موجود تھا اسے نکال کر پڑھنا شروع کیا اور اس کے اوپر والے السلام علیکم اور نیچے والے والسلام کو شامل کیا اور مسکراتے ہوئے مبارکبادی دی۔ کہا بیٹا دعائیں پوری ہو گئیں اب یہ بیماری تجھے مار نہیں سکتی۔

مولانا فیضی صاحب اس آپریشن کے بعد کوئی 25 سال زندہ رہے اور اپنی سرکاری سروس مکمل کی اور حال ہی میں پنشن بھی آئے۔اب آج یہ خبر سنی کہ فیضی صاحب اب دنیا میں نہیں رہے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

قمر السلام میں آپ کے زیر سایہ جب تک رہنے کی توفیق ہوئی اپنے استاد محترم کی خدمت کی کوشش کی اور ان پچیس سالوں میں بھی ہر سال آپ کی زیارت کے لیے جایا کرتا رہا مگر افسوس آج میں آپ کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا مگر مرقد کی زیارت سے فیضیاب ہو گیا۔ لحد میں آپ کو کروٹ کروٹ قرار حاصل ہوں اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا کرے آمین۔